بچوں کا اسلام

1125

ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

اتوار

۲۸ شعبان ۱۴۴۵ھ
مطابق ۱۰ مارچ ۲۰۲۴ء

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

جنت کا پتا

عہد

قیمت: ۴۰ روپے

عبرت والے!

وہ لوگ (کفار اہلِ کتاب) یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اُن کے قلعے اُن کو خدا کے عذاب سے بچالیں گے مگر اللہ نے اُن کو وہاں سے آلیا جہاں سے اُن کو گمان بھی نہ تھا اور اُن کے دِلوں میں دہشت ڈال دی کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اُجاڑنے لگے، تو اے بصیرت کی آنکھیں رکھنے والو عبرت پکڑو۔

(سورۂ حشر، آیت: 2)

فتنوں سے عبرت!

حضرت ابن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک رات آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا: اس رات بہت سے آسمانی خزائن کا فیصلہ کیا گیا ہے اور بہت سارے فتنوں کا نزول ہوا ہے۔ دنیا میں بہت سے خوش عیش آخرت میں نعمتوں سے محروم ہوں گے۔

(صحیح بخاری)

دستک

تسلی کے دو بول!

السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہٗ!

کم وبیش سال گزرا، ایک اجنبی نمبر سے واٹس ایپ پر فون آیا۔ فون اٹھایا تو ایک صاحب سلام دعا کے بعد کہنے لگے کہ بچوں کا اسلام کا پرانا قاری ہوں۔ آپ سے اللہ کے لیے بہت محبت ہے۔ ملنے کی بڑی آرزو تھی مگر پوری نہ ہوسکی۔ اسی تعلق کی بنیاد پر آج آپ سے ایک مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔

عرض کیا کہ جی جی ضرور کیجیے۔

انھوں نے بلاتمہید اپنے کچھ حالات رکھ دیے۔

ان کے حالات سنے تو ہماری آنکھیں بھیگ گئیں۔

موصوف اللہ میاں کے شہر مکہ مکرمہ میں تھے۔ وہاں ٹیکسی چلا رہے تھے اور سخت پریشان تھے۔ پریشانی اُن کی آواز سے جھلک رہی تھی۔

ان کے ساتھ بھی وہی دھوکا ہوا جو بیرونِ ملک کام کے لیے جانے والوں میں سے اکثریت کو ہوتا ہے۔ انھیں سہانے خواب دکھائے گئے مگر کسی ایک خواب کی بھی اچھی تعبیر نہ نکل سکی۔ انھوں نے گھر والوں کا سارا زیور بیچا، اِدھر اُدھر سے قرضہ بھی پکڑا اور سات لاکھ کی خطیر رقم جمع کرکے ایک نام نہاد دوست کے جھانسے میں آکر سعودیہ چلے گئے۔

پھر کیا ہوا......؟

پھر وہی ہوا جو اکثر ہوتا ہے۔ اب ان کے پاس اتنا بھی نہیں بچتا تھا کہ اپنا پیٹ ہی ٹھیک طرح بھر سکیں، گھر کیا بھیجیں۔ کہنے لگے کہ گھر والوں کو کچھ بتا بھی نہیں سکتا کہ وہ ایک آس کی ڈور سے بندھے زندگی کے مشکل دن گزار رہے ہیں، امید کی یہ ڈور کہیں ٹوٹ نہ جائے۔ آپ کوئی مشورہ دیجیے کہ اس جنجال سے کیسے نکلوں؟

راہ چلتے کوئی مسافر کچھ دیر کو ساتھ چلے تو اس کا بھی حق ہوجاتا ہے۔ ہمارے رسائل کے ساتھ قرأت اور محبت کا تعلق نبھاتے ہوئے انھیں تو بیس سال ہوگئے تھے، سو یہ رفاقت بھی تو ایک طرح کا حق ہی تھا اُن کا ہم پر اور آپ سب پر۔

ہم نے انھیں بہت دیر تک بہت تسلی دی کہ فی الحال یہی دے سکتے تھے، پھر عرض کیا کہ کچھ دوستوں سے مشورہ کرتے ہیں، شاید کوئی راہ نکل آئے۔

فون بند کرکے کچھ دوستوں کو کہا۔ الحمدللہ احباب نے ان سے رابطہ بھی کیا مگر مدد کی کوئی ترتیب، کوئی صورت، کوئی نقشہ اللہ رب العزت کے حکم سے بن نہ سکا۔

وقت گزرتا چلا گیا۔

کچھ دن قبل انہی بھائی کا فون رات گئے آیا۔ بات ہوئی تو پچھلی بار کی طرح ایک بار پھر آنکھیں نم ہوگئیں، کہنے لگے:

”کافی عرصے سے آپ سے کچھ کہنا چاہتا تھا، آج سوچا کہہ ہی دوں، یہ کہ ایک بار میری سخت پریشانی میں آپ نے جس طرح ایک اجنبی کی بات سنی تسلی دی، اپنے احباب کو متوجہ کیا، احباب نے بے حد محبت سے رابطہ بھی کیا تو بتانا یہ چاہتا تھا کہ اس دن سے اب تک شاید دس ماہ گزر رہے ہیں مگر اتنا سکون اور طمانیت میرے اللہ نے میرے دل میں اتار دی ہے کہ آپ کو الفاظ میں نہیں بتا سکتا۔ ہر وقت جیسے ایک سکینت کے ہالے میں رہتا ہوں۔ ان دنوں سخت سے سخت حالات سے بھی گزرا ہوں مگر پریشانی چھو کر بھی نہیں گزرتی اور آپ یقین کریں گے کہ یہ آپ کا اس دن محبت سے میری بات سننے اور تسلی دینے کے بعد ہوا۔ سوچا کہ آپ کو دکھڑے سنائے تھے تو کیوں نہ آج یہ خوش خبری بھی سنا دوں کہ اب میں بے حد خوش رہتا ہوں۔ اگرچہ حالات بدستور وہی ہیں مگر پہلے اور اب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

کہتے کہتے اُن کی آواز بھر اگئی تو ہمارے بھی حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا پھنسنے لگا۔

آج اِن سطور سے یہی بات مقصود ہے کہ ہم کسی کے لیے کچھ کر نہیں سکتے تو اسے رونے کے لیے اپنا کندھا تو دے ہی سکتے ہیں۔ تسلی کے چند الفاظ تو کہہ ہی سکتے ہیں۔ جتنی استعداد ہو، جو پلیٹ فارم میسر ہو، قلم سے ہو یا زبان سے، اس کی مدد تو کر ہی سکتے ہیں۔

دیکھیے پھر بظاہر کچھ بھی نہ ہو مگر دراصل سب کچھ ہوجاتا ہے۔ مشکلیں تو آتی ہی رہتی ہیں۔ ایک کے بعد ایک۔ زندگی نام ہی مشقت اور آزمائش کا ہے مگر جو اصل مقصود ہوتا ہے؛ محبت، ہمدردی، تسلی وہ کسی ہمدم سے میسر آجائے تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہر طرح کے حالات میں سکون کی دولت نصیب کردیتے ہیں۔

اس لیے آج سے یہ عزم کیجیے کہ کوئی بھی پریشان حال بھائی ہم سے اپنی پریشانی بانٹے گا تو ہم ہر طرح اس کی مدد کریں گے، اور کچھ نہ بھی کرسکیں، کم از کم تسلی کے دو بول تو ضرور اس سے بولیں گے۔

اللہ تعالیٰ سب کو ہمیشہ خوش رکھے، آمین!

والسلام

محمد فیصل شہزاد

جنت کا پتا

اُمِّ صالحہ

''ہائیں! کیا کہا؟ جنت کا پتا۔''

اُن تینوں نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

''جی ہاں! جنت کا پتا۔'' امی جان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

''لیکن امی جان! جنت تو اللہ میاں کے پاس ہے، پھر بھلا اس کا پتا اس دنیا میں کیسے آسکتا ہے؟'' ننھی حمنہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

حنظلہ، محمد اور ننھی حمنہ معمول کے مطابق عشاء کی نماز کے فوراً بعد اپنی امی جان کے پاس آبیٹھے تھے۔ امی جان روزانہ انھیں سونے سے پہلے سبق آموز کہانیاں، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور تابعین رحمھم اللہ تعالیٰ کے ایمان افروز قصے سناتی تھیں۔ امی جان کی اسی عادت کا نتیجہ تھا کہ چھوٹی عمر ہی میں تینوں بہن بھائی پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھتے تھے۔ اپنے اساتذہ اور بڑوں کا ادب کرتے اور اپنے والدین کا کہنا مانتے تھے۔

آج جب وہ معمول کے مطابق کہانی سننے کے لیے امی جان کے پاس آئے تو امی جان بولیں: ''بچو! آج میں تمھیں جنت کے پتے کی کہانی سناؤں گی، وہ پتا جو دنیا میں ایک آدمی کو ملا تھا۔'' امی جان کی یہ بات سن کر وہ تینوں حیران رہ گئے تھے۔

''ہاں بھئی واقعی! جنت کی چیزیں تو جنت ہی میں ہوتی ہیں۔ باہر نہیں آتیں، اس دنیا میں انھیں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت میں جنتیوں کے لیے ایسی ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں کہ نہ تو ان کو کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے ان نعمتوں کے بارے میں سنا اور نہ ہی ان نعمتوں کے بارے میں کسی کے دل میں خیال پیدا ہوا، لیکن بھئی! اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اپنے ایک بندے کو دنیا ہی میں جنت کا پتا دکھا دیا تھا۔''

امی جان سانس لینے کے لیے رکیں۔ وہ تینوں ہمہ تن گوش ہو کر امی جان کی طرف متوجہ تھے: ''ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی تھے، حضرت شریک بن حبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ وہ ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں کے لیے وضو کا پانی لانے کے لیے ایک کنویں پر پہنچے۔ جب ڈول کنویں میں ڈالا تو رسی ٹوٹ گئی۔ ڈول نکالنے کے لیے کنویں میں اترے تو حیران رہ گئے۔ کنویں کے ایک طرف ایک دروازہ تھا۔ دروازے سے ایک انتہائی حسین سرسبز وشاداب باغ انھیں نظر آیا۔ ایسا باغ کبھی انھوں نے نہیں دیکھا تھا۔ بے خود ہو کر وہ دروازے سے گزر کر باغ میں آگئے۔

باغ میں گھومتے پھرے، پھر انھوں نے ویسے ہی شغل کے طور پر ایک درخت کا پتا توڑ کر کان کے پیچھے لگا لیا اور کنویں سے باہر نکل آئے۔

انھوں نے یہ بات اپنے ساتھیوں کو بتائی۔ ساتھی بہت حیران ہوئے۔ ان میں سے کئی اس کنویں میں اترے مگر کسی کو بھی باغ نظر نہ آیا۔

اس واقعے کی اطلاع مسلمانوں کے خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی گئی۔ انھوں نے پوری بات سن کر فرمایا:

''دیکھو! وہ پتا ہرا رہتا ہے یا خشک ہو جاتا ہے؟ اگر ہمیشہ ہرا رہتا ہے تو ضرور وہ جنت کا پتا اور وہ باغ جنت کا ہوگا، کیوں کہ جنت کی چیزوں میں تبدیلی نہیں آتی۔''

اور پھر واقعی، پتے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، وہ یوں ہی ہرا رہا۔ یہ کنواں مسجد اقصیٰ کے اندر بائیں طرف ہے، اسے ''بیئر الورقہ'' کہتے ہیں۔''

امی جان سانس لینے کے لیے رکی ہی تھی کہ ننھی حمنہ بول اٹھی:

''امی جان! مسجد اقصیٰ وہی ناں جو فلسطین میں واقع ہے؟''

''جی ہاں! اور بچو! اس واقعے کی تصدیق ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے مبارک ارشاد سے بھی ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا مفہوم ہے:

''میری امت کا ایک شخص اپنے پاؤں پر چل کر دنیاوی زندگی کی حالت میں ضرور جنت میں داخل ہوگا۔'' (الانس الجلیل فی تاریخ المقدس الخلیل: ۳۶۸)

امی جان بولتی چلی گئیں، جب کہ وہ تینوں حیرت سے امی جان کو تک رہے تھے۔

☆☆☆

دُرود اُن پر سلام اُن پر!

محمد اُسامہ سَرسَری

خدا نے بھیجا ہے آپ تحفہ، دُرود اُن پر، سلام اُن پر
عطا ہمیں بھی کیا وظیفہ، دُرود اُن پر، سلام اُن پر
دعا کے اوّل دُرود بھیجیں، دُعا کے آخر سلام بھیجیں
کہیں گے پا کر دُعا میں وقفہ، دُرود اُن پر، سلام اُن پر
وہ نامہ بر ہیں، وہی ہیں نامہ، وہی ہیں محبوبِ ربِّ خامہ
خدا کی جانب سے ہر صحیفہ دُرود اُن پر، سلام اُن پر
دُرود ہی سے چمن کی رونق، سلام ہی سے حیاتِ برحق
یہ کہہ کے کِھلتا ہے ہر شگوفہ، دُرود اُن پر، سلام اُن پر
خدا نے شہکار اِک بنایا، یوں اُس نے سارا جہاں سجایا
جہانِ کُن کا حسیں اضافہ، دُرود اُن پر، سلام اُن پر
چمن میں قائل ہے غنچہ غنچہ، سخن میں ناطق ہے نقطہ نقطہ
عدن میں گویا ہے غرفہ غرفہ، دُرود اُن پر، سلام اُن پر
جیے اگر ہم تو روضے آ کر، مرے اگر ہم تو جا کے کوثر
اُسامہؔ بھیجیں گے بالمشافہ، دُرود اُن پر، سلام اُن پر

☆☆☆

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی
bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 2000 روپے بیرون ملک ایک میگزین 25000 روپے دو میگزین 28000 روپے
انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

عہد

راحیل یوسف

میں اپنے عالی شان دفتر میں آرام دہ ریوالونگ چیئر پر بیٹھا ایک فائل کا جائزہ لے رہا تھا کہ دروازہ کھلا: ”سر مے آئی کم ان؟“ پرسنل سیکریٹری کی آواز آئی۔

”یس!“ میں ابھی تک فائل کے مطالعہ میں غرق تھا۔

”سر آپ کی آج کی مصروفیات۔“

”ہاں بولو!“

”گیارہ بجے آپ کی جاپان کے وفد کے ساتھ میٹنگ ہے، دو بجے آپ نے مقامی تاجروں کے ساتھ فائیو اسٹار ہوٹل میں لنچ کرنا ہے۔ چار بجے اسٹاف میٹنگ ہے اس کے بعد نو بجے آپ نے کھانے پر......“

”ریحان، ریحان......! اٹھو نماز کا وقت ہو رہا ہے۔“

ابو کی گرج دار آواز نے میرا سارا خواب توڑ دیا۔

”دھت تیرے کی۔“

میں نے دل میں کہا اور اپنی نیم خوابیدہ آنکھیں کھول دیں۔ سامنے ابو نماز کے لیے تیار کھڑے تھے۔

”نجانے کب سدھرے گا یہ لڑکا؟ اتنا بڑا ہو گیا، پڑھ لکھ کر نوکری شروع کر دی ہے لیکن آج بھی نماز کے لیے اسی طرح جگانا پڑتا ہے جیسے بچپن میں جگاتا تھا۔ پتا نہیں کب ذمے داری کا احساس ہوگا؟“ ابو نے روزانہ کی طرح پھر اپنا لیکچر دہرایا۔

”پھر وہی روزانہ کا لیکچر......!“ میں نے بیزاری سے سوچا۔

ابو اچھا خاصا کالج میں پڑھا رہے تھے کہ بھائی جان نے انھیں یہ کہہ کر ریٹائر کروا دیا کہ ابو! اب آپ آرام کریں، آپ نے بہت محنت کر لی، اب ہمیں اپنی خدمت کا موقع دیجیے۔

پھر کیا تھا ریٹائرمنٹ کے بعد ان کے طلبہ کی بجائے لیکچر سننا میرا معمول بن گیا۔ کہتے تو وہ ٹھیک ہی ہیں مگر ہم بھی چکنے گھڑے ہیں، جس طرح اس کے اُوپر سے پانی پھسل جاتا ہے اسی طرح ابو کا لیکچر ہمارے سر سے گزر جاتا تھا۔

”میں کسمساتے ہوئے بستر سے اٹھا۔ گھڑی میں وقت دیکھا تو پانچ بج رہے تھے۔ فجر کی جماعت ساڑھے پانچ بجے کھڑی ہوتی تھی۔ کاش ابو دس منٹ اور سونے دے دیتے تو کم از کم خواب ہی میں سہی، اپنی ترقی کے تو پورے مزے لوٹ لیتا اور پھر تیار ہونے میں کتنا وقت لگتا ہے؟ دس منٹ غسل خانے میں، پانچ منٹ مسجد تک کا راستہ، پانچ منٹ سنتوں کی ادائیگی کے لیے، لو بیس منٹ میں سب کچھ ہو جاتا مگر نہیں ہونہہ۔“

”ریحان! جلدی آؤ۔“ اب کی دفعہ آنے والی آواز بھائی جان کی تھی۔ میں فوراً غسل خانے میں جا گھسا اور دس منٹ بعد جمائیاں لیتے ہوئے ان کے ہمراہ مسجد کی جانب چل پڑا۔ نماز کی ادائی کے بعد مسجد میں مختصر سی مطالعہ حدیث کی نشست ہوتی تھی جس میں ابو، بھائی جان اور میں باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے۔ حسبِ معمول ہم بیٹھ گئے۔

”آج کی نشست ایک عام اخلاقی برائی یعنی جھوٹ کے بارے میں ہے۔“

امام صاحب کی آواز گونجی تو میں توجہ سے ان کی بات سننے لگا۔ نیند تو خیر مسجد پہنچتے ہی دور بھاگ چکی تھی۔

”حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے فرمان کا مفہوم ہے: منافق کی تین نشانیاں ہیں، بولے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب کسی سے تکرار ہو تو گالی گلوچ پر اُتر آئے۔“ امام صاحب نے مطالعہ حدیث کا آغاز کر دیا۔

”اس کے علاوہ ایک نشست میں صحابہ کرام نے آپ سے سوال کیا کہ مومن جھوٹا ہو سکتا ہے؟

آپ نے جواب دیا، مومن جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

غور فرمائیے کہ جھوٹ کی کتنی ممانعت ہے۔ منافق کی نشانی ہے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے اور مومن کی صفت ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا۔ ہم لوگ انجانے میں کتنے چھوٹے بڑے جھوٹ بول دیتے ہیں، آئیے آج عہد کریں کہ اب ہم جھوٹ سے پرہیز کریں گے۔“

امام صاحب نے مطالعہ ختم کیا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ آج کے مطالعے نے خلافِ معمول دل پر کچھ زیادہ ہی اثر کیا تھا۔ واقعی انجانے میں دن میں کتنے ہی جھوٹ بول لیتا تھا۔

دعا کے بعد بے اختیار میں امام صاحب کے سامنے جا پہنچا۔

”کیا بات ہے بیٹا؟“ انھوں نے مجھ سے دریافت کیا۔

”مولانا صاحب! جھوٹ سے پرہیز کیسے کیا جا سکتا ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”اپنے نفس پر قابو پا کر۔ عہد کر لو کہ ہمیشہ سچ بولو گے چاہے اس سے بظاہر کسی مالی یا دنیوی نقصان کا خطرہ ہی کیوں نہ ہو۔

ان شاء اللہ تعالیٰ تمھارا نقصان فائدے میں بدل جائے گا۔‘‘

’’لیکن بعض اوقات تو انجانے میں ہی جھوٹ ہونٹوں سے پھسل جاتا ہے۔‘‘ میں نے پھر اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔

’’ریحان بیٹا! پہلے دل میں عہد تو کرو کہ اب ارادتاً جھوٹ نہیں بولو گے پھر اللہ تعالیٰ تمھیں خود ہی انجانے میں جھوٹ بولنے سے بچانے کا انتظام کر دے گا لیکن ایک بات یاد رکھنا عہد کرنے کے بعد جان بوجھ کر جھوٹ نہ بولنا۔‘‘

انھوں نے کہا اور میں نے ان کی باتوں کو گرہ میں باندھ لیا، ساتھ ہی دل میں جھوٹ سے پرہیز کرنے کا عہد کر لیا۔

گھر پہنچ کر ابو تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ بھائی جان ناشتہ کرنے لگے کیونکہ وہ دفتر کے لیے جلدی نکلتے تھے۔ جب کہ میں بستر میں گھس گیا تا کہ ایک گھنٹہ مزید نیند لے لوں کیونکہ میرے دفتر کا وقت نو بجے تھا اور میں آٹھ بجے دفتر کے لیے نکلتا تھا۔

لیٹتے ہی میری آنکھ لگ گئی اور نیند کچھ اتنی گہری آئی کہ کب پونے آٹھ بج گئے پتا ہی نہ چل، اوہ تو ابو کی دھاڑ تھی جس نے اُٹھا دیا، ورنہ دو چار گھنٹے اور سوتا رہتا۔ خیر جلدی جلدی تیار ہوا اور ناشتہ کیے بغیر ہی دفتر جانے کے لیے بائیک پر سوار ہو گیا۔

’’سوا آٹھ ہو گئے ہیں۔ اب ٹریفک بھی زیادہ ملے گا آج تو لیٹ ہوئے ہی ہوئے۔‘‘ میں دل میں بڑبڑایا۔

اور واقعی ایسا ہی ہوا، سارے سگنل بند ملے۔ دو مرتبہ ٹریفک کے رش میں پھنسا، جیسے تیسے بائیک آگے پیچھے کر کے وہاں سے جان چھڑائی۔ ابھی راستے ہی میں تھا کہ موبائل فون نے بجنا شروع کر دیا۔

میں نے بائیک کنارے پر لگائی اور فون سننے لگا۔

دوسری طرف عرفان تھا میرا کولیگ۔

’’یار کہاں ہو تم؟‘‘ اس نے پوچھا۔

’’کیوں خیریت؟‘‘ میں نے بجائے جواب دینے کے الٹا سوال کر ڈالا۔

’’تمھیں پتا ہے سوا نو ہو چکے ہیں، باس تمھارا دو بار پوچھ چکے ہیں۔‘‘

’’یار! دراصل میری بائیک خراب ہو گئی ہے مکینک کو ڈھونڈ رہا ہوں۔‘‘ میں نے جھٹ بہانہ تراشا۔

’’او کے میں ان کو بتا دیتا ہوں انھیں تم سے کوئی ضروری کام ہے۔ اچھا اللہ حافظ۔‘‘

’’اللہ ہی حافظ۔‘‘ اس کے فون کاٹنے کے بعد میں بڑبڑایا اور بائیک کو اسٹارٹ کرنے کے لیے کک لگائی، پھر دوسری کک‘ پھر تیسری مگر میری ون کک اسٹارٹ بائیک نے اسٹارٹ ہونے سے انکار کر دیا۔ میں اپنی طرف اطمینان کرنے لگا۔ پیٹرول چیک کیا‘ ٹنکی فل تھی۔ چوک لگا کر اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی لیکن سب بے سود۔ میری میکنکی بری طرح ناکام ہو چکی تھی۔ اب کیا ہو سکتا ہے سوائے میکنک کی تلاش کے۔ پانچ سو میٹر دور پیٹرول پمپ کا بورڈ نظر آ رہا تھے۔ بائیک کو گھسیٹتے وہاں تک لے گیا۔ کچھ دیر میں مکینک نے خرابی پکڑ کر بائیک صحیح کر دی۔

’’یہ لیجیے بھائی! بائیک ریڈی ہے، فلٹر خراب ہو گیا تھا۔‘‘

’’کتنے پیسے ہوئے؟‘‘

’’پندرہ سو روپے۔‘‘

’’پندرہ سو روپے؟ یہ کیا اندھیر نگری لگا رکھی ہے، چھ سو کا نیا فلٹر آتا ہے۔‘‘ میں نے حیرت اور غصے سے کہا۔

’’چھ سو کا چائنا کا آتا ہے میرے پاس جاپانی ہے، بارہ سو کا فلٹر ڈالا، تین سو روپے فالٹ پکڑنے اور مزدوری کے۔‘‘ اس نے بھی حساب کی تفصیل بیان کر دی۔

''نہیں نہیں بارہ سو سے زیادہ ایک پیسہ نہیں دوں گا۔''

یہ کہہ کر میں نے پیسے گن کر اس کی طرف بڑھا دیے۔

''اس نے بھی جھنجھلاتے ہوئے نوٹ ہاتھ میں لے لیے۔

''پتا نہیں صبح صبح کہاں سے یہ کنگلے آ ٹپکے۔''

وہ بڑبڑایا تو میں سنی اَن سنی کر کے بائیک پر بیٹھ کر دوبارہ دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔

دفتر پہنچا تو دس بج چکے تھے۔

''آ گئے جناب!...... باس نے آپ کو کسی میٹنگ میں ساتھ لے کر جانا تھا، انتظار کر کر کے ابھی نکلے ہیں۔ ویسے میں نے تمھارا پیغام ان تک پہنچا دیا تھا۔''

عرفان نے آتے ہی پوری رپورٹ مجھے سنا دی۔

''شکریہ یار! بس بائیک نے آج بڑا خوار کروا دیا۔''

میں نے تھکے تھکے لہجے میں اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنی نشست کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆

جیسے تیسے دفتر کا وقت ختم ہوا۔ جب میں جانے کے لیے اُٹھا تو عرفان کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ ''یار ریحان! مجھے بجلی کا بل دینا تھا آج آخری تاریخ ہے میرے پاس ہزار روپے کم ہیں، اگر تمھارے پاس ہیں تو دے دو۔ میں کل بلکہ نہیں کل تو اتوار ہے، پرسوں لوٹا دوں گا۔''

میرے ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف رینگ گئے۔

''ارے یہ کیا کر رہے ہو؟ ایک ہزار اسے دے دو گے تو تمھارے پاس کیا بچے گا؟ صرف ہزار روپے جبکہ تنخواہ پرسوں ملنی ہے اگر کوئی خرچہ آ گیا تو۔''

دماغ میں ایک خیال سا دوڑ گیا۔

''عرفان میرے پاس پندرہ سو ہیں مگر وہ بھی ابھی کسی کو دینے ہیں تم کسی اور سے مانگ لو۔'' میں نے اسے ٹرخا دیا۔

''ٹھیک ہے بھئی میں پھر کہیں اور سے بندوبست کر لیتا ہوں۔''

عرفان نے قدرے مایوسی سے کہا اور میں گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆......☆

''اِدھر آؤ شہزادے!'' سگنل پر کھڑے ٹریفک پولیس کے اہلکار نے مجھے اشارہ کیا۔

میں اس وقت گھر سے کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ ''یا الٰہی خیر! اب یہ مصیبت کہاں گلے پڑ گئی۔''

''جی جناب'' میں سعادت مندی سے اس کے پاس کھڑا ہو گیا۔

''لائسنس کدھر ہے۔''

''یہ لیجیے۔'' میں نے اس کی طرف کاغذات بڑھا دیے۔

''اس نے لائسنس لیا اور بک کھول کر چالان بنانے لگا۔

''کس بات پر آپ چالان کر رہے ہیں۔'' میں نے احتجاج کیا۔

''تم نے سگنل پر لائین سے آگے موٹر سائیکل روکی ہے۔''

''وہ تو سگنل اچانک سرخ ہو گیا تھا۔ لائن ذرا سی تو کراس ہوئی تھی۔''

''ذرا سی ہوئی...... ہوئی تو...... جرم تو بن گیا، پھر تمھاری بائیک میں انڈیکیٹر بھی نہیں ہے۔ انشورنس بھی ایکسپائر ہو گئی ہے۔''

اس نے تو بے ضابطگی کا ایک سلسلہ گوش گزار کر دیا۔

''یہ لو ہزار کا چالان۔''

''ہائے......'' دل سے ایک کراہ سی برآمد ہوئی۔ اب کیا کر سکتا تھا، چالان اس سے لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆......☆

''السلام علیکم۔'' میں نے گھر میں داخل ہوتے ہی امی کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! آ گئے بیٹا۔'' امی نے جواب دیا میں ان کا انداز دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ اب وہ کوئی کام میرے سپرد کرنے والی ہیں۔ بائیک کی خرابی اور پھر چالان نے میرا موڈ بری طرح خراب کر دیا تھا۔ میرا کوئی کام کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

''بیٹا وہ مجھے ذرا صفیہ خالہ کے گھر کام سے جانا ہے تم تازہ دم ہو جاؤ، پھر مجھے لے جانا۔''

''امی! مجھے تو بخار سا محسوس ہو رہا ہے میں کہیں نہیں جا سکتا۔''

امی نے میری جانب شفقت سے دیکھا پھر بولیں:

''چلو تم آرام کرو، ہو سکتا ہے کہ کچھ دیر میں طبیعت بحال ہو جائے۔''

میں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، لیکن یہ کیا؟ مجھے محسوس ہوا جیسے میرا ماتھا گرم ہونا شروع ہو گیا ہے۔ واقعی مجھے بخار ہو چلا تھا اور میں بستر میں گر کر کراہنے لگا۔

لیٹے لیٹے میرے ذہن میں صبح سے وقوع پذیر ہونے والے واقعات فلم کی طرح چلنے لگے۔

بائیک کا خراب ہونا، چالان، پھر یہ طبیعت کی خرابی! نجانے آج ہر چیز کیوں غلط ہو رہی ہے؟ یقیناً ان تمام واقعات میں کوئی ربط ہے؟

سوچتے سوچتے میرے ذہن میں ایک بجلی سی کوندی۔

''جھوٹ! اوہ خدایا میں کتنا غافل ہوں۔ صبح ہی عہد کیا کہ جھوٹ سے پرہیز کروں گا پھر بھی جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہا ہوں تو مجھے جھوٹ سے بچانے کے لیے یہ سارے کام ہو رہے ہیں۔

بائیک خراب ہونے کا بہانہ کیا تو بائیک واقعی خراب ہو گئی، عرفان سے پیسے کسی کو دینے کا جھوٹ بولا، چالان ہو گیا اور پیسے سرکار کے خزانے میں چلے گئے۔ امی سے طبیعت خرابی کا بہانہ بنایا، واقعتاً بخار ہو گیا!

اسی اثنا میں مسجد سے مغرب کی اذان کی آواز بلند ہونے لگی۔ میں نے قدم مسجد کی طرف بڑھا دیے۔ نماز ادا کرنے کے بعد میں اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑایا:

''اللہ جی! مجھے معاف کر دیجیے، میں اب جھوٹ نہیں بولوں گا۔''

مسجد سے نکلا تو مجھے لگا کہ جیسے میری طبیعت تیزی سے بحال ہو رہی ہے۔ بخار ایسے غائب ہو گیا جیسے ہوا ہی نہ ہو۔ میں گھر داخل ہوا تو امی نے محبت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا: ''بیٹا اب طبیعت کیسی ہے؟''

''بالکل ٹھیک امی! آپ تیار ہو جائیں میں آپ کو خالہ صفیہ کے گھر لے چلتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''انھیں کیا پتا تھا کہ آج میں نے برسوں پرانی بیماری سے نجات پا لی تھی۔

☆☆☆

جواہرات سے قیمتی

انتخاب: سمیع اللہ۔ چنیوٹ

☆......زبان کی لغزش قدم کی لغزش سے زیادہ خطرناک ہے۔

☆......اُس دن پر آنسو بہاؤ، جو دن تم نے بغیر نیکی کے گزار دیا۔

☆......بدترین شخص وہ ہے، جس کے ڈر سے لوگ اس کی عزت کرنے پر مجبور ہوں۔

☆......جو شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ہمیشہ کرم کرتا رہے، وہ خدا کے بندوں پر رحم کرتا ہے۔

☆......اصل طاقت برداشت کرنے میں ہے، انتقام لینے میں نہیں۔

جیت کر بھی ہار گیا!

علی اکمل تصور

ٹنکو خرگوش انگڑائی لیتا ہوا نیند سے جاگا۔ بل کے سوراخ سے اندر آتی روشنی اس بات کا پتا دے رہی تھی کہ صبح ہو چکی ہے۔ وہ رینگتا ہوا باہر نکلا۔ موسم بہت سہانا تھا۔ وہ خوشی سے جھوم اُٹھا۔ سورج کی نرم گرم دھوپ ہر چیز کو راحت و سکون دے رہی تھی۔ سرسبز گھاس سے خوش بُو آ رہی تھی۔ وہ گھاس میں لوٹ پوٹ ہو کر کھیلنے لگا۔ اچانک اُس کے قریب سے جمن کچھوا گزرا۔

''ارے رُک جاؤ...... کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اِدھر ہم کھڑے ہیں؟'' ٹنکو نے زور سے جمن کو آواز دی۔ جمن چلتے چلتے رُک گیا۔

''کیوں بھائی! کیوں رُکوں؟''

''ہمیں سلام کرو!'' ٹنکو اکڑ کر بولا۔

''ایک دُوسرے کو سلام کرنا تو اچھی بات ہے مگر تم اس طرح کہہ کر کیوں کروا رہے ہو؟'' جمن حیرت سے بولا۔

''اس لیے کہ میں تم سے اچھا دوڑ سکتا ہوں۔'' ٹنکو اِترا کر بولا۔

''اپنی کسی خوبی پر غرور کرنا اور اکڑ دکھانا اچھی بات نہیں ہے۔ جیت کا یہ اعزاز ویسے بھی تمھارے کسی بزرگ کے پاس ہوگا تمھارے پاس نہیں۔''

''تو اب بھی کیا بگڑا ہے، میں ہوں ناں، تم بھی ہو تو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا اور پڑھے لکھے کو فارسی کیا، سو ہو جائے اِک اور دوڑ؟'' ٹنکو جمن کو چیلنج کر رہا تھا۔

''ٹھیک ہے...... مگر راستہ میری مرضی کا ہوگا۔''

جمن اس دوڑ پر رضامند ہو گیا تھا لیکن اُس نے ایک شرط بھی رکھ دی تھی۔

''منظور ہے۔'' ٹنکو فوراً آمادہ ہو گیا، کیوں کہ اُسے اپنی رفتار پر غرور تھا۔

''وہ برگد کا پیڑ دیکھ رہے ہو؟'' جمن نے ایک سمت میں اشارہ کیا۔

ٹنکو نے دیکھا تو بہت دور جھاڑیوں کے اوپر اسے برگد کے درخت کی شاخیں نظر آ رہی تھیں۔

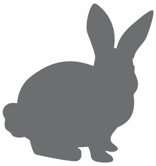

''ہاں......!'' ٹنکو بولا۔

''بس وہاں تک جانا ہے۔'' جمن بولا۔

''ٹھیک ہے، تو پھر شروع کرتے ہیں۔''

''ایک......دو......تین......'' ٹنکو نے گنتی مکمل کی اور بھاگ کھڑا ہوا۔

جمن رینگتے ہوئے پیچھے آ رہا تھا۔

ٹنکو اچھلتا کودتا گھاس میں راستہ بناتا آگے بڑھ رہا تھا پھر اچانک وہ رک گیا۔

''دھوکا......! میرے ساتھ دھوکا ہوا۔'' ٹنکو خود کلامی کرتے ہوئے زور سے چلّایا۔

کیونکہ آگے اچانک خشکی کا راستہ ختم ہو گیا تھا اور ایک ندی نظر آ رہی تھی۔ ندی میں شفاف اور ٹھنڈا پانی رواں دواں تھا اور یہاں کوئی پُل بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر گزری تو جمن میاں بھی رینگتے رینگتے ٹنکو کے پاس پہنچ گئے مگر جمن رُکا نہیں، وہ ندی میں اتر گیا، تیر کر ندی پار کی اور برگد کے درخت کے پاس پہنچ گیا پھر وہ واپس لوٹا اور ٹنکو کے قریب پہنچ کر بولا:

''آج پھر تم ہار گئے...... اب کبھی غرور مت کرنا۔''

''تم نے مجھے دھوکا دیا۔'' ٹنکو غصّے سے بولا۔

''نہیں میں نے دھوکا نہیں دیا۔ میں نے اپنی شرط تمھیں پہلے ہی بتا دی تھی۔''

''ٹھیک ہے۔ اگلے ہفتے اسی مقام پر ہمارے درمیان پھر مقابلہ ہوگا، بولو منظور ہے؟''

''منظور ہے۔'' کچھوے نے ایک بار پھر ٹنکو کا چیلنج قبول کر لیا تھا۔

وقت گزرنے لگا۔ اس عرصے میں ٹنکو مقابلے کی تیاری کر رہا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ تیاری کس قسم کی ہے۔ جمن کا خیال تھا کہ ٹنکو ندی پر پُل بنائے گا مگر اس نے پُل نہیں بنایا تھا پھر جمن نے سوچا کہ شاید ٹنکو تیراکی کا فن سیکھے گا مگر یہ سب جمن کے اندازے تھے۔ ایسے میں نجانے کیوں جمن کو گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ کچھ تو ایسا ہونے والا تھا کہ جس کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ ورنہ راستے میں ندی ہونے کے باوجود ٹنکو اسے ایک بار پھر سے دوڑ لگانے کا چیلنج کبھی نہ دیتا۔

☆......☆

ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ جمن اور ٹنکو آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ٹنکو معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا اور جمن گھبرا رہا تھا۔

اب ٹنکو بولا: ''ہاں تو پھر تیار؟ ایک...... دو...... تین......!''

دوڑ شروع ہو چکی تھی۔ ٹنکو پُھدک پُھدک کر دوڑ رہا تھا۔ جلد ہی وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ جمن سست رفتاری سے رینگتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ جب جمن ندی کنارے پہنچا تو اُسے ٹنکو نظر نہیں آیا۔ اس سے پہلے کہ جمن ندی میں اُترتا اُس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔

ندی کے دُوسرے کنارے کی طرف سے ٹنکو چلا آ رہا تھا۔ وہ دوڑ کا مقابلہ جیت کر بھی واپس آ چکا تھا۔ وہ اس وقت پانی کی سطح پر موجود تھا مگر ڈوب نہیں رہا تھا۔ وہ کسی ایسی چیز پر بیٹھا ہوا تھا جو اُسے ڈوبنے نہیں دے رہی تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ٹنکو کنارے کے ساتھ آ لگا۔ ٹنکو پُھدک کر ندی سے باہر نکل آیا۔ اب جو جمن نے دیکھا تو اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ندی سے ایک کچھوا باہر نکل رہا تھا۔ ٹنکو نے ندی کے پار آنے جانے کے لیے اس کچھوے کو لالچ دے کر تیار کر لیا تھا۔

''کیوں؟ جیت گیا ناں میں...... اب مجھے سلام کرو۔'' ٹنکو غرور سے بولا۔

''ہاں...... تم جیت گئے۔'' جمن روتے ہوئے بولا۔

''لیکن تم صرف اس لیے جیت گئے کہ میری قوم کے ایک فرد نے اپنی قوم سے غدّاری کی ہے۔ میرے بھائی نے مجھے دھوکا دیا۔ یہ جیت تمھیں مبارک ہو۔''

جمن آنسو بہاتا آگے بڑھ گیا۔

غدار کچھوے کا سر شرم سے جھک گیا۔

ٹنکو کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ یہ دوڑ جیت کر بھی ہار گیا ہو۔

☆☆☆

نقصان اٹھانے کے بعد

ابوالحسن۔ سینٹرل جیل، کراچی

"کیا بات ہے بیٹا! پریشان لگ رہے ہو؟"

فاطمہ بیگم نے بیٹے کو کھانے کے دوران سوچوں میں گم دیکھ کر پوچھا۔

"ماں جی! آپ کو تو پتا ہے آج کل مہنگائی اور بے روزگاری نے غریب آدمی کا جینا دوبھر کر رکھا ہے۔"

"تمھاری بات اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہے، لیکن بیٹا اللہ ساری کائنات کا رازق ہے۔ اس پر توکل اور محنت کو اپنا شعار بنانے والا کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ تم اپنے آپ کو دیکھو، حادثے میں ٹانگیں ضائع ہونے کے باوجود اللہ نے تمھارے لیے رزق کا اچھا اور باعزت بندوبست کیا یا نہیں؟" فاطمہ بیگم نے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

سلمان نے سعادت مندی سے ماں کی بات سے اتفاق کیا اور کھانے کے بعد عشا کی نماز کے لیے مسجد چلا گیا۔

☆......☆

سلمان اپنی بیوہ ماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اُس کے والد اس کے لڑکپن ہی میں دنیا سے رخصت ہوگئے تھے۔ انھوں نے ترکے میں ایک چھوٹا سا مکان چھوڑا تھا جو ماں بیٹے کے سر چھپانے کا آسرا تھا۔ فاطمہ نے کپڑے سی کر گھر چلایا، مگر سلمان کو زیادہ تعلیم نہ دلوا سکی۔ سلمان کا اسکول پانچویں جماعت کے بعد ہی چھوٹ گیا اور وہ بجلی کے سامان کی ایک دکان پر کام کرنے لگا۔ ساتھ ہی الیکٹریشن کا کام بھی سیکھتا رہا۔ جب وہ کام سیکھ چکا اور کچھ کمانے کے قابل ہوا تو سڑک کے ایک حادثے میں اس کی دونوں ٹانگیں مفلوج ہوگئیں۔ سلمان نے مگر ہمت نہ ہاری اور علاقے کے چند لڑکوں کو ساتھ ملا کر بجلی کے کام کے چھوٹے موٹے ٹھیکے پکڑنے لگا۔ کام میں تو وہ خود ماہر تھا۔ اپنی وہیل چیئر پر بیٹھا لڑکوں کو ہدایات دیتا رہتا اور اپنی نگرانی میں کام مکمل کرواتا۔ کام معیاری ہوتا اور وقت پر مکمل ہوتا۔ کچھ ہی عرصے میں علاقے میں سلمان کو اچھی پیشہ ورانہ شہرت حاصل ہوگئی۔ زندگی دوبارہ اپنی ڈگر پر چلنے لگی اور اس میں بڑی حد تک قرار آ گیا تھا کہ ایک بار پھر ہلچل مچ گئی۔

☆......☆

زبردست خان کا نام نجانے کیا سوچ کر رکھا گیا تھا لیکن اپنے پیٹ کا پکا ہونے اور دوسروں پر دھونس جمانے کے معاملے وہ اسم بامسمّیٰ تھا۔ لوگ بدمزگی سے بچنے کے لیے اس سے نہ الجھتے تو زبردست خان اپنے کو 'مغلِ اعظم' سمجھنے لگتا۔ اگرچہ پنج وقتہ نماز وہ مسجد میں باجماعت ادا کرتا لیکن دھونس جمانا اور ہر کسی پر حکم چلانا اس کی ایسی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی کہ مسجد میں بھی اس سے باز نہ آتا۔ اس کے پوتے جوان ہو چکے تھے پھر بھی "ابھی تو میں جوان ہوں" اس کا نعرہ تھا۔ پھر ہوا یوں کہ زبردست خان کے نئے گھر میں وائرنگ کا ٹھیکا سلمان کو ملا تو اس کے دونوں کاری گروں نے کام کرنے سے انکار کر دیا۔

"کیوں بھئی! کیا مسئلہ ہے کام میں؟" سلمان نے اپنے کاری گر معیز سے پوچھا۔

"سلمان بھائی! آپ کو تو پتا ہے یہ زبردست چچا کیسی خطرناک بلا ہیں؟ میں تو ان کے گھر کام نہیں کروں گا۔ یہ تو بندے کی جان کو آ جاتے ہیں۔"

معیز نے صاف انکار کر دیا۔ سلمان فکرمند ہوگیا کہ آج کل کام کا مندا چل رہا ہے، یہ ٹھیکا تو اسے غنیمت لگا تھا اور لڑکوں نے منع کر دیا۔ اب ان کو کیسے تیار کروں؟ اس نے سوچا اور معیز کو سمجھانے کی دوبارہ کوشش کی۔

"یار! ہمیں ان کے مزاج سے کیا لینا ہے؟ ان کو بولنے دو، ہم اپنا کام کر کے آ جائیں گے۔"

لیکن معیز کو اپنے سابقہ تلخ تجربات ابھی یاد تھے، بولا: "سلمان بھائی! میں پچھلے سال ان کے مکان کی تعمیر میں مزدوری کر چکا ہوں، وہ کام کرنے والوں کا جینا حرام کر دیتے ہیں۔ یوں کرو، یوں نہ کرو۔ یہ کیوں کیا یہ کیوں نہ کیا۔ وہ خود کو ہر فن مولا سمجھتے ہیں اور کسی کی نہیں سنتے۔ قربان مستری نے انھیں ایک بار ٹوک دیا کہ میں اپنا کام جانتا ہوں، مجھے مت سمجھائیں تو بس پھر کیا تھا وہ تو ہتھے ہی سے اکھڑ گئے۔ وہ بے بھاؤ کی سنائیں کہ بے چارا چپ ہوگیا، اور یہی نہیں مزدوری دینے میں بھی ڈنڈی مارتے ہیں۔"

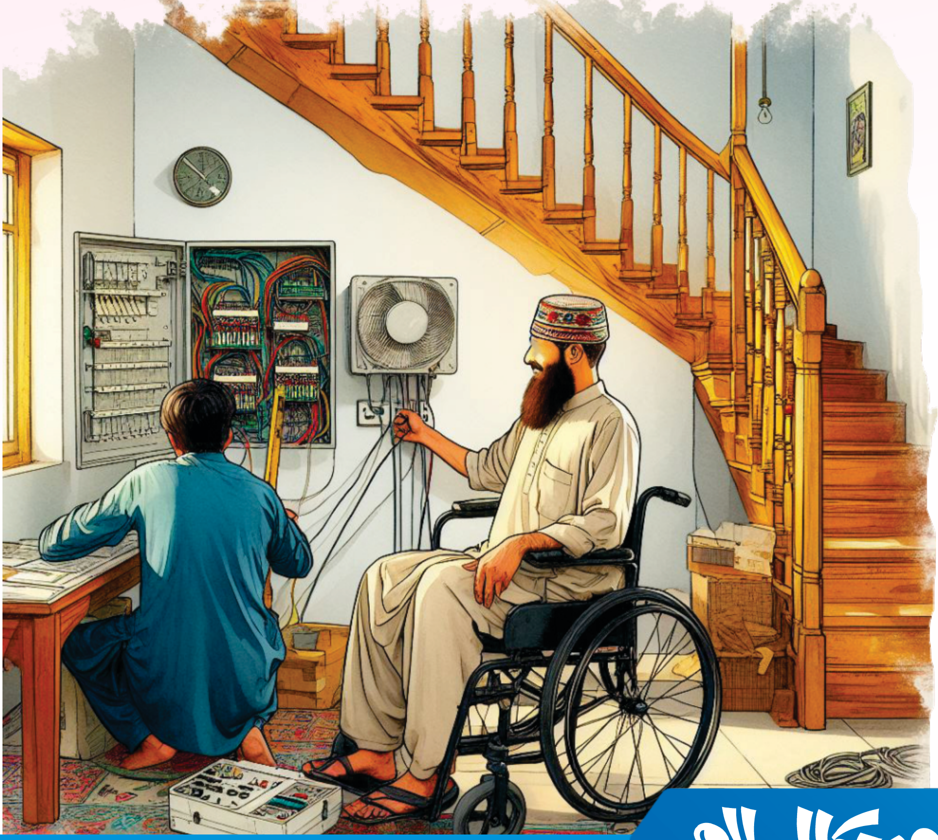

اب تو سلمان کو بھی تشویش ہونے لگی۔ اس نے کچھ دیر سوچا، پھر ایک خیال اسے سوجھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگنے لگی۔

اس نے سنجیدہ لہجے میں معیز سے کہا: ''تم چلو تو سہی، چچا مزدوری بھی پوری دیں گے اور ہمیں تنگ بھی نہیں کریں گے۔''

معیز کو حیرت ہوئی۔ اس نے دلچسپی سے پوچھا:

''ایسا کیا جادو سیکھ لیا آپ نے؟''

''وقت آنے پر پتا چل جائے گا۔ سیدھی انگلی سے گھی نہ نکلے تو انگلی ٹیڑھی کرنی پڑتی ہے۔'' سلمان نے پراسرار انداز میں کہا۔

☆......☆

''آ گئے تم لوگ! بہت اچھے، شاباش کام شروع کرو اور یہ میرا نیا گھر ہے میں نے اسے بہت چاہت سے بنوایا ہے، خبردار! سب کام ٹھیک ٹھیک ہونا چاہیے۔''

زبردست خان نے آتے ہی احکامات جاری کرنے شروع کر دیے۔

دونوں کاری گروں معیز اور محسن نے بے بسی سے سلمان کی طرف دیکھا، جس نے آنکھوں کے اشارے سے تسلی دی اور ساتھ ہی انھیں کام شروع کرنے کو کہا۔

اور کچھ ہی دیر میں کاریگروں نے ایک عجیب بات نوٹ کی کہ سلمان بھائی ہر کام کرنے کا طریقہ الٹا بتا رہے ہیں۔ مثلاً وائرنگ کے لیے پہلے بورڈ میں ساکٹ سوئچ اور تاریں وغیرہ لگانے کی بجائے انھیں بتیاں اور پنکھے اپنی جگہوں پر لگانے کو کہہ رہے ہیں۔

زبردست خان نے یہ سنتے ہی اعتراض کیا:

''نہیں نہیں، کام میری مرضی سے ہوگا، پہلے بورڈ تیار کرو۔''

سلمان نے مستعدی سے کہا:

''جی جناب! جیسا آپ چاہیں، ویسا ہی ہوگا۔'' پھر اس نے لڑکوں کو ویسا ہی کرنے کو کہا۔

اسی طرح وہ ہر کام کا الٹ طریقہ بیان کرتا اور زبردست خان کے اعتراض پر اپنا فیصلہ بدل دیتا۔ یہ ترکیب کاری رہی اور سارا کام خوش اُسلوبی سے نمٹ گیا اور زبردست خان اپنی جگہ بہت خوش ہوا کہ کام ہر مرحلے میری مرضی سے ہوا۔

حسبِ معمول پیسوں کی ادائیگی کے وقت زبردست خان نے حیل و حجت شروع کر دی۔ سلمان نے ادب سے لیکن بے لچک انداز میں کہا:

''چچا جان! ہماری مزدوری جو طے ہوئی تھی، وہ ہمارا حق ہے اور وہ آپ کو دینا ہی ہوگا۔''

''اگر میں نہ دوں تو؟''

زبردست نے اشتعال انگیز لہجے میں کہا۔ سلمان نے بااعتماد لہجے میں کہا: ''تو ٹھیک ہے! تب آپ اپنا گھر بھی استعمال نہیں کر سکتے بلکہ استعمال تو درکنار آپ اس میں داخل بھی نہیں ہو سکتے، مجھے پہلے ہی اس بات کا اندیشہ تھا، میں نے ایسے طریقے سے وائرنگ کی ہے کہ گھر کی ساری دیواروں اور دروازوں میں کرنٹ موجود ہے اور آپ جتنے بھی بجلی کے کاریگر لے آئیں وہ اسے ٹھیک نہیں کر سکتے، اس کو میں ہی ٹھیک کر سکتا ہوں اور وہ تبھی ہوگا جب آپ پورے پیسے ادا کریں گے۔''

''ارے جاؤ میاں! کسی اور کو بے وقوف بنانا، میرا نام زبردست خان ہے، میں تم جیسوں کی باتوں میں آنے والا نہیں، میرے سامنے ساری وائرنگ ہوئی ہے، تم ایسا کچھ کر ہی نہیں سکتے تھے، میں سب سمجھتا ہوں۔''

یہ کہہ کر زبردست خان تیزی سے گھر کے مرکزی گیٹ کی طرف بڑھا اور گیٹ کو کھولنے کی کوشش کی لیکن گیٹ کو چھوتے ہی کرنٹ کا زوردار جھٹکا لگا اور وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹا۔

''دیکھ لوں گا میں تمھیں، یہاں اور بھی الیکٹریشن ہیں، میں سب ٹھیک کرا لوں گا اور اب تو تمھیں ایک دھیلا بھی نہیں دوں گا۔ تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو؟''

زبردست خان غصے سے بکتا جھکتا چلا گیا۔

اگلے دن قصبے کے تقریباً تمام الیکٹریشنوں کو بلا کر مسئلہ بتایا لیکن سبھی کا کہنا تھا کہ بظاہر تو سب ٹھیک ہے، جس نے یہ وائرنگ کی ہے اسی نے کوئی خفیہ انتظام کیا ہے جو وہی ٹھیک کر سکتا ہے۔

آسان علمِ دین کورس | بسم اللہ | سبق نمبر ۱۳

روزہ

آیتِ کریمہ:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۞

(سورۂ بقرہ، آیت نمبر 185)

مفہوم: لہٰذا تم میں سے جو شخص بھی یہ مہینہ (رمضان) پائے وہ اس میں ضرور روزہ رکھے، اور اگر کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔

حدیثِ مبارکہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

اَلصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ. اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ. وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ. وَاِنْ جَهِلَ عَلٰى اَحَدِكُمْ جَاهِلٌ وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيَقُلْ: اِنِّيْ صَائِمٌ.

مفہوم: روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، روزہ جہنم کے لیے ڈھال ہے، روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے اور اگر کوئی جاہل تم میں سے کسی کے ساتھ جہالت سے پیش آئے اور وہ روزے سے ہو تو اسے کہہ دینا چاہیے کہ میں روزے سے ہوں۔ (جامع ترمذی)

مسنون دعا:

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ.

مفہوم: ''یا اللہ! میں نے آپ کے لیے روزہ رکھا اور آپ کے رزق پر افطار کیا۔''

(ابوداؤد)

فقہی مسئلہ:

ہر عاقل بالغ مسلمان پر رمضان کے پورے مہینے میں روزے رکھنا فرض ہے، روزہ یہ ہے کہ صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے، پینے اور جماع سے خود کو روکا جائے، ہاں اگر کوئی شخص بھولے سے کھا پی لے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور سحری کا وقت ختم ہونے میں صبح صادق کا اعتبار ہے نہ کہ فجر کی اذان کا، اسی طرح افطار کا وقت شروع ہونے میں غروبِ آفتاب کا اعتبار ہے نہ کہ مغرب کی اذان کا۔

(المختصر للقدوری)

محمد اسامہ سرسری

زبردست خان ظہر کی نماز کے بعد مسجد ہی میں سوچوں میں گم بیٹھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نماز کے بعد سلمان کے گھر جا کر اسے دھمکائے اور شور مچائے، مگر یہ بھی تھا کہ جو بھی پوری بات سنتا، اسے ہی قصوروار ٹھہراتا۔

اسی وقت چچا عبدالرحمٰن جو علاقے کے بزرگ دکان دار اور مسجد کے متولی بھی تھے اور سارے علاقے میں اُن کی بہت عزت کی جاتی تھی وہاں سے گزرے۔ زبردست کو وہاں چپ چاپ بیٹھا دیکھا تو حال چال پوچھا:

''کیا بات ہے زبردست! خلافِ معمول خاموش بیٹھے ہو؟''

''بس بھائی جان! اتنی چاہ سے گھر بنوایا تھا، اُس لنگڑے سلمان نے پتا نہیں کیا مسئلہ کر دیا ہے؟'' زبردست گویا پھٹ پڑا۔

چچا عبدالرحمٰن نے دھیمے لہجے میں کہا: ''زبردست! سارے قصبے کو معلوم ہے کہ تم اُس معذور محنت کش کے پیسے دبائے بیٹھے ہو، اور ایک اسی کے کیا، تم سبھی کے ساتھ یہی کرتے ہو، کبھی اپنے اخلاق پر بھی غور کرو، سب لوگ تم سے دور بھاگتے ہیں، لوگوں کو تکلیف دینے والا کبھی پرسکون نہیں رہ سکتا، محنتی نوجوانوں کی تو قدر اور حوصلہ افزائی کرنی چاہیے ورنہ وہ غلط راہوں پر چل پڑیں گے۔''

چچا اپنی بات مکمل کر کے چلے گئے اور زبردست خان بہت دیر تک سوچوں میں گم رہا۔ زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ زبردست نے ہار مانی اور سلمان کی ساری مزدوری ادا کی۔

سلمان نے ایک منٹ میں مسئلہ حل کر دیا۔

سچ ہے بے وقوف بھی بالآخر عقل مند کی بات مانتا ہے لیکن نقصان اٹھانے کے بعد۔

ہر چہ دانا کند، کند ناداں
لیک بعد از خرابی بسیار

سچ ہے نادان آخر وہی کرتا ہے جو عقلمند کرتے ہیں لیکن نقصان اٹھانے کے بعد!

☆☆☆

(خصوصی طور پر بچوں کا اسلام کے نوعمر قارئین کے لیے سہل اور عام فہم انداز میں تلخیص کیا گیا!)

102

میر حجاز

اختر حسین عزمی

اسی خطرے سے نبٹنے کے لیے بیعت عقبہ ثانیہ کے اڑھائی ماہ بعد ۲۶ صفر ۱۳ نبوی (۲۱ ستمبر ۶۲۲ء) جمعرات کی صبح دارالندوہ میں قریش کے تمام خاندانوں کے سربراہوں کو طلب کیا گیا تھا، سوائے خاندان بنو ہاشم کے۔

اجتماع میں شرکت کے لیے قریش کے خاندان بنو عبد شمس، بنو نوفل، بنو عبد دار، بنو اسد، بنو مخزوم، بنو سہم اور بنو جمح کے دو دو تین تین نمائندے آ گئے تھے، البتہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان بنو تیم، عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان بنو عدی اور بنو ہاشم کا کوئی نمائندہ نہیں آیا تھا۔

مجلس کے شرکاء نے دارالندوہ کے دروازے پر ایک اجنبی بزرگ کو دیکھا جو ریشمی جبہ زیب تن کیے ہوئے تھا۔ بظاہر کسی قبیلے کا رئیس دکھائی دیتا تھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا: مَنِ الشَیخ ''اے بزرگ آپ کون ہیں؟''

''میں اہل نجد کا سردار ہوں۔ میں نے اس امر کے بارے میں سنا جس کو طے کرنے آپ لوگ یہاں اکٹھے ہوئے ہیں تو میں بھی حاضر ہو گیا۔ دین آباء کے تحفظ کے لیے ممکن ہے یہ ناچیز تمھیں کوئی بہتر مشورہ دے سکے۔''

''کوئی حرج نہیں، آپ تشریف لے آیئے۔'' انھوں نے کہا۔

وہ سب ہی اس کے شخصی وقار اور وجاہت سے اس قدر متاثر و مرعوب تھے کہ انھوں نے اس سے کوئی اور سوال کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔

کارروائی کے آغاز میں سردارانِ قریش ایک دوسرے کو کہنے لگے: ''اس شخص (محمدؐ) نے جو کچھ کیا ہے تمھارے سامنے ہے۔ اب اس کے سارے ساتھی یثرب میں اکٹھے ہو گئے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ یہ خود بھی کسی روز یہاں سے چلا جائے اور اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔ اگر یہ ہمارے قبضے سے نکل گیا تو بعید نہیں کہ وہ اپنی قوت کو مجتمع کر کے ہم پر ہلّہ بول دے۔ اس لیے ہمیں آج ہی اس خطرے کے سدِّ باب کے لیے کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔''

''میری رائے یہ ہے کہ اسے زنجیروں میں جکڑ کر ایک مکان میں بند کر کے اس کا دروازہ مقفل کر دیا جائے اور جس طرح زمانہ ماضی کے شعراء اور نابغہ وغیرہ مر گئے، اس کی موت کا انتظار کیا جائے۔'' بنو اسد کے رئیس ابوالبختری نے رائے دی۔

''یہ رائے بالکل بے معنی ہے۔ اگر تم نے اسے قید کر دیا تو اس کے عقیدت مند کسی بھی وقت جان کی بازی لگا کر اسے نکال لے جائیں گے اور تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔''

شیخ نجدی نے یہ رائے رد کر دی۔

''اسے شہر بدر کر دیا جائے اور اپنے علاقہ میں نہ گھسنے دیا جائے۔ پھر ہماری بلا سے وہ جہاں چاہے جائے۔ ہم روز روز کی کِل کِل سے نجات پا لیں گے اور باہمی طور پر امن و سکون کی زندگی بسر کریں گے۔''

ربیعہ بن عمرو عامری نے یہ رائے دی تو شیخ نجدی چپ نہ رہ سکا اور فوراً بول اٹھا:

''یہ رائے بھی پہلی رائے کی طرح لایعنی ہے۔ اس کی شیریں کلامی اور فصاحت و بلاغت سے تو تم واقف ہی ہو، اگر تم نے اسے یہاں سے نکال دیا تو وہ کسی دوسرے قبیلے کو اپنا ہم خیال بنا کر تمھارے اوپر چڑھا لائے گا۔ کیا تم اس وقت اس کا راستہ روک سکو گے؟ کوئی اور تجویز سوچو جو اِس فتنہ کا قلع قمع کر دے۔''

سب لوگوں نے اس رائے کو بھی مسترد کر دیا۔ آخر میں ابوجہل اٹھا اور کہنے لگا:

''ہم ہر خاندان سے ایک ایک جوان چنیں جو بہادر ہو، تلوار کا دھنی ہو، ہر ایک کو ایک تیز تلوار دیں، پھر وہ سب مل کر یکبارگی رات کی تاریکی میں اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیں۔ اس طرح اس مصیبت سے ہمیں راحت مل جائے گی۔ جب قبیلہ قریش کے ہر خاندان کا ایک نوجوان اس کے قتل میں شریک ہوگا تو اس کا خون تمام خاندانوں پر تقسیم ہو جائے گا۔ بنو ہاشم سارے خاندانوں سے تو بیک وقت قصاص کی جنگ نہ لڑ سکیں گے۔ آخر کار وہ دیت پر رضا مند ہو جائیں گے اور ہم سب مل کر بڑی آسانی سے اس کی دیت ادا کر دیں گے۔''

ابوجہل کی یہ تجویز سن کر شیخ نجدی کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ وہ کہنے لگا:

''یہ ہوئی نا تجویز! اس کے سوا کسی اور رائے کی ضرورت نہیں۔''

اسی رائے سے تمام شرکائے مجلس متفق ہو گئے۔ اس کے بعد قریش کے تمام خاندانوں سے آٹھ دس افراد منتخب کر لیے گئے جنھوں نے رات کی تاریکی میں محمدؐ بن عبداللہ پر حملہ آور ہونا تھا۔

اِدھر لات وہبل کے پرستار محبوب خدا کو قتل کرنے کی سازش کر رہے تھے، اُدھر ان کا رب ان کی تدبیر کی کمزوری کو دیکھ رہا تھا:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ۝ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ۝ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (الانفال ۸:۳۰)

(مفہوم) ''اور جب منکرین حق تیرے خلاف سازشیں کر رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلا وطن کر دیں۔ وہ اپنی چال چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔''

جبریل امینؑ نے آپ کو اللہ کا یہ حکم پہنچا دیا کہ آج رات آپ اپنے بستر پر آرام نہیں فرمائیں اور آج رات ہجرت کر جائیں۔

☆☆

دوپہر کا وقت تھا جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر ڈھانپے ابوبکر صدیق کے گھر کی طرف آ رہے تھے۔

اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ معمول یہی تھا کہ صبح آتے تھے یا شام کے وقت، لیکن آج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد غیر معمولی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا علم ہوا تو بے ساختہ بولے:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ فدا ہوں، ایسے وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص وجہ سے ہی تشریف لائے ہوں گے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا:

''تمھارے پاس جو لوگ ہیں، انھیں دور کر دو، اہم بات کرنا ہے۔''

''یارسولؐ اللہ! گھر میں اس وقت صرف آپ کی اہلیہ ہے۔''

ابوبکر صدیق کا اشارہ اپنی بیٹی عائشہ صدیقہ کی طرف تھا جن کا نکاح اللہ کے نبی سے ہو چکا تھا البتہ ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔

''اللہ نے آج مجھے یہاں سے ہجرت کر جانے کا اذن دے دیا ہے۔''

یہ سن کر ابوبکر صدیق نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسولؐ! کیا مجھے شرف صحبت حاصل ہوگا؟''

''ہاں اس سفر میں تم میرے ساتھی ہوگے۔''

یہ خوشخبری سن کر فرطِ مسرت سے ابوبکر کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

نوعمر عائشہ صدیقہ نے جب اپنے باپ کو اس خوشخبری پر روتے دیکھا تو انہیں معلوم ہوا کہ خوشی میں آنسو کیسے چھلکتے ہیں؟

یہ ابوبکرؓ کے عشق رسولؐ کی معراج تھی کہ پُرخطر سفر میں اللہ کے رسول کا ساتھ ملنے پر اپنی خوش بختی پر پھولے نہیں سما رہے تھے۔

صدیق اکبر نے مسرت سے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، ان دونوں میں سے ایک اونٹنی آپ لے لیجیے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لیکن قیمتاً!''

اس کے بعد حضرت ابوبکر نے بیٹی سیدہ عائشہ کے ساتھ مل کر جلدی جلدی تیاریاں شروع کر دیں اور کچھ توشہ ایک تھیلے میں رکھ دیا۔

سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنے کمر بند کے ٹکڑے کر کے ایک تھیلے کا منہ اس سے باندھ دیا اور اسی وجہ سے ان کا نام ''ذات النطاقین'' پڑ گیا۔

سفر کی جملہ تفصیلات طے کرنے کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے۔

☆☆

اہل مکہ اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خون کے پیاسے تھے لیکن اپنے قیمتی زیورات و جواہرات اور درہم و دینار کی حفاظت کے لیے کوئی امین ان کی نگاہوں میں جچتا تھا تو وہ بھی یہی ذات کریم تھی۔ اِدھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو آج رات ہی مکہ کو چھوڑ جانے کا حکم دیا تھا۔ اس سربستہ راز کو افشا ہونے سے بچانا بھی تھا لیکن امانتوں کو ان کے مالکوں تک پہنچانا بھی ضروری تھا۔ اس ذمے داری کو کس طرح نبھایا جائے کہ امانت میں خیانت ہونے کا الزام آپ کے اجلے کردار پر کوئی نہ لگا سکے، اس کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شدید خطرہ مول لینے کا عزم کیا۔ اپنے چچا کے لختِ جگر حضرت علی بن ابی طالب کو بلوایا اور ان کے سپرد مکہ والوں کی تمام امانتیں کر دیں۔

اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔ آپ اپنی جان کی بازی لگا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر آپ کی چادر اوڑھ کر پوری رات لیٹے رہے۔

آخر ظالم آ گئے اور انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ سمجھ کر اذیتیں دینا شروع کر دیں۔

لیکن حضرت کی استقامت پر قربان جائیں کہ پتھر کھا کر دوہرے ہوئے رہے، اپنا سر چادر سے نہ نکالا اور نہ ہی زبان کو جنبش دی کہ کہیں دشمن کو پتا نہ چل جائے کہ بستر پر کون ہے؟

(جاری ہے)

درود وسلام کے مسنون صیغے

(18)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''زاد السعید'' کے نام سے صلوٰۃ وسلام پر مشتمل چالیس صیغے جمع فرمائے۔ حضرت لکھتے ہیں: ''جو صیغے صلوٰۃ وسلام کے احادیث میں آئے ہیں اُن میں سے چالیس صیغے پیش ہیں جن میں سے پچیس صلوٰۃ کے اور پندرہ سلام کے ہیں۔'' انہی مسنون صیغوں سے ہر ہفتے درود وسلام کا ایک صیغہ پیش کیا جا رہا ہے۔

قارئین! انھیں یاد کیجیے، روزانہ پڑھنے کا اہتمام کیجیے اور اپنے دوستوں کو بھی یاد کروائیے۔ اس طرح درود وسلام کا اجر بھی ملے گا، تلاوت حدیث کا بھی اور چالیس احادیث یاد کرنے کروانے پر از روئے حدیث قیامت کے دن علماء کرام کے ساتھ اٹھائے جانے کی بشارت کے مستحق بھی آپ بن جائیں گے۔ کیوں ہے نا مزے کی بات؟! (مدیر)

صلوٰۃ کا اٹھارھواں صیغہ:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

وہ شخص ہمت اور حوصلے کا پہاڑ تھا۔ اس کی زندگی کا مقصد پاکستان کے نوجوانوں کو مضبوط بنانا تھا۔ دینی مدرسے کا ایک طالب علم اتفاق سے اُس تک جا پہنچا، یوں شوق، لگن، جدوجہد اور عزم کے رنگین جذبوں سے سجی داستان زیبِ قرطاس ہوئی!
ایک ایسے شخص کا تذکرہ جو دولت پر فن کو ترجیح دیتا تھا......!

ہمّت کا پہاڑ

راوی: سیہان انعام اللہ خان مرحوم — تحریر: رشید احمد منیب

میری پیدائش صوبہ سرحد، صوابی کے ایک گاؤں زروبی میں ہوئی۔ میں نے پرائمری تک تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ اُس کے بعد ہم کراچی آ گئے۔ ہمارا خاندان دینی پس منظر رکھتا ہے۔ میرے دادا گاؤں کی مسجد کے پیش امام تھے۔ اُن کی اپنی زمین تھی۔ وہ بڑے اللہ والے آدمی تھے۔ سوائے اپنی زمین پر اپنے ہاتھ سے اگائے ہوئے غلّے کے اور کچھ نہیں کھاتے تھے۔ وہ سات یا آٹھ دن بعد گھر کا ایک چکر لگاتے تھے۔ باقی وقت زمینوں پر یا مسجد میں گزارتے تھے۔ میری پیدائش کے سات یا آٹھ دن بعد وہ گھر تشریف لائے۔ اُس وقت میں پنگھوڑے میں تھا، انھوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا:

"یہ لڑکا تو کھلاڑی معلوم ہوتا ہے۔"

ہمارے خاندان میں مجھ سے قبل کوئی کھیلوں سے واقف بھی نہ تھا۔ میرے دادا کا میرے متعلق کہنا سچ ثابت ہوا اور میں بڑا ہو کر خود بخود کھیلوں کی طرف چلا گیا۔ دادی بھی بہت نیک خاتون تھیں۔ وہ چکی پیستی تھیں اور ساتھ ساتھ قرآن کریم اور دعائیں پڑھتی رہتی تھیں۔ انھیں گلستان اور بوستان کے اکثر اشعار یاد تھے، وہ بھی پڑھتی رہتی تھیں۔ اُن کی یادداشت آخر عمر تک بہت اچھی تھی۔

میں گھٹنوں کے بل نہیں چلا بلکہ سیدھا ہی پیروں پر چل پڑا، بلکہ بھاگ پڑا۔ میری دادی بتاتی تھیں کہ میں ایک دن پنگھوڑے میں لیٹا تھا۔ وہ چمڑے کا پنگھوڑا تھا۔ وہاں سے کچھ فاصلے پر گھر کی کچی دیوار تھی جس میں نکاسی کے لیے ایک بڑا سا سوراخ تھا۔ میں چلتا ہوا اس سوراخ سے باہر نکل گیا اور کیچڑ میں گر پڑا۔ اتنے میں میری والدہ تشریف لائیں تو مجھے پنگھوڑے میں نہ پا کر پریشان ہو گئیں۔ ہر طرف تلاش ہوئی، آخر مجھے کیچڑ سے دریافت کر لیا گیا۔

والد صاحب نیوی میں ملازم تھے اور بمبئی میں ہوتے تھے۔ والدہ بھی وہیں تھیں۔ انہی دنوں فسادات شروع ہو گئے، چنانچہ میری والدہ واپس گاؤں آ گئیں۔ جب وہ ٹرین میں واپس آ رہی تھیں تو ایک سکھ ٹرین میں چڑھ آیا تھا۔ والدہ نے اسے لات مار کر چلتی ٹرین سے نیچے گرا دیا تھا۔ میری والدہ بڑی جری خاتون تھیں اور میری تربیت میں ان کا بہت بڑا کردار ہے۔

میں نے پرائمری تک اپنے گاؤں کے اسکول ہی میں پڑھا تھا، پھر تقسیم کے کچھ عرصے بعد ہم کراچی آ گئے تھے۔ اس وقت میری عمر کم و بیش دس برس ہو گی۔ ہم یہاں گزری (کراچی کا ایک علاقہ) میں آئے تھے۔ یہاں زمزمہ کے قریب نیوی والوں کو حکومت کی جانب سے کوارٹرز ملے ہوئے تھے۔ ہم وہاں رہے۔ میں اسی علاقے میں پلا بڑھا، اسی میں جوان ہوا اور آج اس عمر تک پہنچ چکا ہوں۔ میری شرارتیں بے شمار ہیں بلکہ یہ تو میں نے آج تک نہیں چھوڑیں، البتہ میں آپ کو کراچی میں اپنی سب سے پہلی شرارت سناتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے بتایا، میں پرائمری کے بعد اپنی والدہ کے ہمراہ کراچی آ گیا تھا۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ ٹرین کینٹ اسٹیشن پر رکی تھی۔ ہم وہاں سے ایک بگھی میں بیٹھ کر گھر پہنچے تھے۔ گھر پہنچ کر کچھ دیر تو میں وہاں بیٹھا، اُس کے بعد مجھے خیال آیا کہ باہر نکل کر دیکھنا چاہیے کہ یہ کیسا علاقہ ہے؟

جب میں گھر سے باہر نکلا تو مجھے دور سے ایک بہت گہرے رنگ کا آدمی اپنے گھر کی طرف آتا دکھائی دیا۔ میری نظر جیسے ہی اُس پر پڑی تو میں نے دل میں کہا: "ارے یہ تو ہندو ہے۔"

اُن دنوں تقسیم کے حالات کی بنا پر ہر جگہ ہندوؤں کے مظالم کی داستانیں سنائی جاتی تھیں۔ ہمارے گھر میں بھی یہی ماحول تھا اور گاؤں میں بھی یہی باتیں ہوتی تھیں۔ یہ سب کچھ سن سن کر میرے دل و دماغ میں ہندوؤں کے لیے نفرت بھری ہوئی تھی اور میں یہ سوچا کرتا تھا کہ مجھے جب بھی موقع ملے گا میں انھیں ماروں گا۔ چنانچہ جیسے ہی میری نظر اُس "کالے آدمی" پر پڑی، مجھے نجانے کیوں یقین ہو گیا کہ یہ ہندو ہی ہو سکتا ہے اور اسے مارنا چاہیے۔

ویسے بھی وہ ہمارے گھر کی طرف آ رہا تھا، لہٰذا میں فوراً گھر میں داخل ہوا تا کہ کوئی چیز ملے تو اسے ماروں۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو مجھے ایک بھاری ڈنڈا دکھائی دیا۔ میں نے وہ فوراً اٹھا لیا اور گھر سے نکل آیا۔ وہ شخص میرے نزدیک پہنچ چکا تھا اور اسے میرے ارادوں کا کوئی علم نہیں تھا۔ وہ بے خبر بڑھا چلا آ رہا تھا، جونہی وہ میرے نزدیک پہنچا، میں نے پوری طاقت سے ڈنڈا اُس کے سر پر رسید کر دیا۔ وہ بے چارہ "ہائے" کہہ کر گر پڑا۔ میں نے دوبارہ ڈنڈا اٹھایا تا کہ اسے ماروں، اتنی دیر میں لوگ پہنچ گئے اور انھوں نے مجھے پکڑ لیا۔ کچھ لوگ میرے والد صاحب کو بلا کر لے آئے۔ اُس وقت تک میرے والد میرے مزاج سے واقف نہیں تھے، کیوں کہ وہ زیادہ تر ڈیوٹی کے سلسلے میں کراچی میں رہتے تھے، جب کہ میں گاؤں میں تھا۔ والد صاحب نے مجھ سے پوچھا: "بیٹا! آپ نے انھیں کیوں مارا؟"

میں نے کہا: "ابّا یہ ہندو ہے اور ہندو کو مارتے ہیں۔"

والد صاحب نے پوچھا: "بیٹا! آپ کو کس نے کہا کہ یہ ہندو ہے؟"

میں نے کہا، "ابّا! آپ دیکھتے نہیں، اُس کا رنگ کالا ہے اور جس کا رنگ کالا ہو، وہ ہندو ہوتا ہے۔"

اصل بات یہ تھی کہ ہمارے گاؤں میں تو کوئی سانولے رنگ کا آدمی بھی نہیں تھا اور کالے رنگ کا آدمی میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ اس لیے میں اسے ہندو ہی سمجھا تھا۔

ابّا ہنس پڑے، کہنے لگے: "بیٹا! اُس کا نام غلام حسین ہے، یہ ہمارا پڑوسی ہے اور یہ ہندو نہیں ہے۔"

پھر مجھ سے معافی منگوائی، خود بھی بہت معذرت کی، پھر کافی دیر سمجھاتے رہے کہ ہر ہندو یا غیر مسلم کو بھی نہیں مارتے۔ صرف اسے مارنا چاہیے، جو آپ کو مارے یا آپ کے مسلمان بھائی کو مارے۔

لڑائی کا پہلا واقعہ کراچی میں گھر آنے کے دس منٹ بعد پیش آیا۔ یہ گویا افتتاح تھا، اس کے بعد تو ساری زندگی ہی گویا لڑائی میں گزری۔

میں نے تقریباً ہر کھیل کھیلا ہے، البتہ لڑائی والے کھیلوں سے مجھے فطری دلچسپی تھی۔ میرے والد ہر اتوار کی صبح مجھے اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ ہمارے گھر سے کچھ دور آج کل جہاں زمزمہ کا علاقہ ہے، وہاں سرکاری عمارتیں تھیں۔ اُن کے درمیان عیسائی خاکروبوں نے اکھاڑا بنایا ہوا تھا۔ وہ اور اُن کے بچے اِس اکھاڑے میں کُشتیاں کیا کرتے تھے۔ میرے والد مجھے وہاں لے جاتے اور عیسائی بچوں سے میری کُشتی کرواتے۔ مسلسل جھاڑو دینے کی وجہ سے عیسائی بچوں کے مسلز بہت مضبوط ہوتے تھے۔ وہ مجھے پٹخ دیتے۔ میں ہر بار پھر اٹھ کھڑا ہوتا۔ دو تین ماہ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اس کے بعد مجھے مشق ہوگئی، پھر میں انھیں پٹخنے لگا اور وہ مجھ سے ڈرنے لگے۔ اُس کے علاوہ مجھے فٹ بال کا شوق بھی تھا۔ میں نے بچپن میں باکسنگ بھی سیکھنا شروع کی تھی۔ اُس وقت میری عمر تقریباً سولہ سال ہوگی۔ یہاں گزری میں ایک عیسائی انسٹرکٹر نے، جس کا نام شاید پیٹر تھا، باکسنگ سکھانا شروع کی تھی۔ مجھے کسی دوست نے بتایا کہ باکسنگ سیکھ لو، بڑے فائدے کی چیز ہے۔ میں باکسنگ سیکھنے کے لیے جانے لگا مگر والد صاحب سے چھپ کر، کیوں کہ میرے والد صاحب مولوی آدمی تھے، وہ اگرچہ لڑائی بھڑائی کے معاملے میں خود میری حوصلہ افزائی کرتے تھے، لیکن وہ ان چیزوں کے قائل نہیں تھے۔

میں نے گھر والوں سے چھپ کر کلب جانا شروع کر دیا۔ انسٹرکٹر صاحب نے مجھ پر کوئی خاص توجہ نہ دی۔ میں خود ہی بیگ پر پنچ (punch) چلاتا تھا۔ کافی دن اسی طرح گزر گئے، کوئی مقابلہ نہ ہوا۔ میں اِس صورت حال سے تنگ آ گیا۔ ایک دن میں نے انسٹرکٹر سے کہا کہ میں آپ سے فائٹ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ میرے والد صاحب کی تربیت بالخصوص میری والدہ کی حوصلہ افزائی تھی کہ میں کسی سے دبتا نہیں تھا۔ جب میں نے اپنے انسٹرکٹر سے یہ کہا تو وہ نہایت حیران ہوا۔ لڑکے مجھے سمجھانے لگے کہ ایسا مت کرو یہ تمھیں ماریں گے، تمھیں ابھی آتا ہی کیا ہے؟

لیکن میں ناسمجھ تھا، لڑنے کے لیے تیار ہو گیا۔ انسٹرکٹر صاحب بھی مقابلے کے لیے آ گئے۔ جیسے ہی ہم آمنے سامنے ہوئے، میں نے ایک زوردار مکا اُن کے سینے پر مارا۔ وہ تیلے دبلے آدمی تھا، میرا مکا لگا تو اچھل کر پیچھے پڑی ہوئی چارپائی پر جا گرے، وہ بھی اِس طرح کہ اُن کا سر چارپائی کی 'بانوں' میں گھس گیا اور ٹانگیں اوپر رہ گئیں۔

مکا اتنا زوردار تھا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ میں گھبرا کر اپنے گھر بھاگ گیا کہ یہ تو مر گئے۔ میری والدہ نے مجھے گھبرایا ہوا اور پریشان دیکھا تو دریافت کیا، میں نے بتایا کہ میں نے انسٹرکٹر کو مار دیا ہے۔

وہ بھی پریشان ہوگئیں لیکن بڑی ہمت والی خاتون تھیں۔ برقع اوڑھا اور مجھے ساتھ لے کر کلب چلی گئیں۔

وہاں پہنچے تو دیکھا کہ انسٹرکٹر صاحب بیٹھے اپنے سینے کی مالش کر رہے ہیں۔

کہنے لگے: ''تم آدمی ہو یا جن؟''

اس کے بعد میں نے وہاں جانا چھوڑ دیا۔

(جاری ہے)

ابوالحسن۔سینٹرل جیل، کراچی

پاکستان بننے کی وجہ!

کچھ عرصہ قبل ایک مضمون 'پسِ دیوارِ زنداں' آپ کو بھیجا، جو بعد میں شائع بھی ہوا۔ اس کے بعد قید کے دنوں کے کچھ احوال لکھ کر بھیجے 'رو میں ہے رخشِ عمر' کے نام سے۔ بعد ازاں کسی جگہ نظر سے گزرا کہ 'رو میں ہے رخشِ عمر' تو ایک مشہور شخصیت کی آپ بیتی کا عنوان ہے۔ کل لائبریری سے ایک کتاب ملی۔ آغا شورش کاشمیری صاحب کی قید کے ایام کی آپ بیتی 'پسِ دیوارِ زنداں' اس حیرت انگیز اتفاق پر دل بہت خوش ہوا۔ اپنی تحریریں لکھتے وقت مجھے اس کا بالکل علم نہ تھا ورنہ یہ عنوان استعمال نہ کرتا۔ شاید اسی کو توارد کہتے ہیں۔ توارد کی کئی مثالیں تو ایک دور کے شعراء و ادباء میں ملتی ہیں اور بعض کے درمیان سالوں بلکہ دہائیوں اور صدی تک کا فاصلہ بھی موجود ہے۔ بہر حال یہ سرقہ یا چربہ ہرگز نہیں، اب اس کو جو بھی نام دیا جائے (**نہیں عنوان ایک جیسا ہونے کو توارد کہتے ہیں نہ ہی سرقہ۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ تو مشہور اشعار کے مصرعے ہیں جنھیں کوئی بھی اپنی تحریر کا عنوان بنا سکتا ہے**)۔

شورش کاشمیری صاحب کی آپ بیتی ابھی زیرِ مطالعہ ہے۔ ان کی کتاب اور دیگر کئی کتب میں جو تقسیمِ ہند سے قبل کے واقعات ذکر کیے گئے ہیں ایک بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ برصغیر پر انگریز کے قبضے اور بعد ازاں ایک صدی تک حکومت کرنے میں سب سے بڑا کردار مقامی غداروں کا تھا۔ انگریز کی جدید ٹیکنالوجی، عسکری برتری اور چال بازیاں، مکر و فریب اپنی جگہ لیکن اگر مقامی غدار ان کا ساتھ نہ دیتے، جیسا کہ دیا تو حالات یکسر مختلف ہوتے۔ خیر آزادی کے بعد بھی کچھ بھی تو نہیں بدلا۔ اگر انگریز کے کچھ اقدامات منسوخ ہوئے ہیں تو وہ اچھے قوانین اور رواج جن سے عوام کو کچھ فائدہ مل سکتا تھا، وہ سب ختم ہو گئے۔ خذ ما صفا ودع ما کدر کی بجائے دع ما صفا و خذ ما کدر پر عمل کیا گیا (یعنی اصل اصول تو یہ ہے کہ صاف چیز لے لو اور بری چھوڑ دو اس کے برعکس اچھی چیز چھوڑ دو اور بری لے لو پر عمل کیا گیا)۔ مثلاً انگریز کے وقت کی پابندی، عوامی بہبود کے منصوبے، مضبوط تعلیمی ادارے، تحقیق و جستجو، قانون کی عمل داری جیسی صفات تو یکسر چھوڑ دی گئیں اس کے بجائے انگریز کا روایتی تکبر و چودراہٹ، مقامی آبادی کو حقیر سمجھنا، دین بے زاری، بے حیائی و بدکاری کا فروغ، مقامی آبادی کا معاشی و سیاسی استحصال جیسی بری عادات کو بسر و چشم قبول کیا گیا۔

وطنِ عزیز پاکستان کی بنیاد میں لاکھوں شہداء کا خون ہے اور اس کی بقا و ترقی اسلام کی بقا و ترقی سے منسلک ہے۔ اصل وطن دشمن وہ ہے جو دینِ اسلام کا دشمن ہے۔ اس ملک کے سارے مسائل کی وجہ دینِ اسلام کے حکیمانہ و عادلانہ قوانین کو چھوڑ کر کفر کی پیروی کرنا ہے اور تمام مسائل کا حل دینِ اسلام کی تعلیمات و احکام کا نفاذ ہے۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں طور سے اللہ پاک ملکِ پاکستان کی تمام شرور سے حفاظت فرمائیں۔ اس کے دشمنوں کے شر سے اس کو محفوظ رکھیں اور اس کو صحیح معنوں میں اسلام کا قلعہ بنائیں، آمین۔

پاکستان کے بننے کی وجہ ہی اسلام ہے۔ اگر برصغیر میں اسلام اور مسلمانوں کا وجود نہ ہوتا تو پاکستان کے بننے کی کوئی وجہ ہی نہ تھی۔ اس کے شہریوں کا آپس میں اصل رشتہ کلمے کا رشتہ ہے اور اسی رشتے وہ سارے عالمِ اسلام سے جڑے ہوئے ہیں۔ اللہ پاک تمام مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی اخوت کا جذبہ بدرجہ اتم پیدا فرمائیں، آمین!

☆☆☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

☆ شمارہ ۱۱۰۴ کی دستک میں ایک خوش خبری ہماری منتظر تھی۔ بچوں کا اسلام الف نمبر پر مقالہ رسالے کی مقبولیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ علی اکمل تصور کی تحریر 'وہ ایک قدم' اور فوزیہ خلیل کی تحریر 'بڑے قد والا' کا مرکزی خیال تقریباً ایک جیسا ہی تھا۔ پہلی کہانی میں اگر ہیرو کو ملک کا احساس ملک چھوڑنے سے پہلے ہوا تو دوسری میں ملک چھوڑنے کے بعد، ضروری بات یہ تھی کہ آخر میں دونوں صحیح راستے پر تھے۔ جاوید بسام نے دنیا کو سورج کی کرن سے ہمیں ایک دل خوش کن منظر دکھایا تو فضیل فاروق نے مدینہ منورہ اور مکہ کا نور اپنی آنکھوں سے۔ یہ سلسلہ ابھی ہم کافی دفعہ پڑھیں گے۔

(محمد وقاص۔ جھنگ صدر)

ج: بہت جلد ان شاء اللہ تعالیٰ یہ کتابی شکل میں شائع ہوگا تا کہ آپ تادیر اور بار بار اسے پڑھتے رہیں۔

☆ آپ کی 'دستک' دلوں پر دستک دے رہی تھی، کاش! دلوں پر اثر بھی ہو جائے۔ 'ذکر ایک رات کا' پڑھ کر ماموں بھانجے پر حیرت ہوئی۔ ۱۰۹۷ کے دو تین خطوط غم اور درد سے بھرے ہوئے تھے۔ اللہ کریم ان کا غم دور کرے۔ (مولانا محمد اشرف۔ حاصل پور)

ج: آمین ثم آمین۔

☆ مجھے بچپن ہی سے بچوں کا اسلام بہت پسند ہے۔ شمارہ ۱۱۰۰ بہت اچھا تھا۔ آپ کی 'دستک' پڑھ کر دل خوش ہو گیا اور 'بھولا ہوا سبق' اور 'تکو نے باغیچے کا کیکر' دونوں تحریریں بہت اچھی لگیں۔ مدیر چاچو! بچوں کا اسلام خوبصورت ہوتا جا رہا ہے۔ (محمد خبیب بن مولانا عبدالحفیظ۔ بہاول پور)

ج: آپ خود خوبصورت نگاہ و دل رکھتے ہیں ناں، اس لیے۔

☆ 'اُن کے کوچے میں' محمد فضیل فاروق بھائی کا سفرنامہ کیا ہی خوب سفرنامہ ہے۔ ہمیں بھی اس سفرنامے نے ماضی میں پہنچا دیا جب ہم بھی حرمین شریفین کی مقدس فضاؤں میں سانس لے رہے تھے۔ جب بھی وہ دن یاد آتے ہیں عجیب کیفیت ہو جاتی ہے۔ 'سائنس پیریڈ' ڈاکٹر اسامہ زاہد کافی عرصے بعد نظر آئے۔ ماشاء اللہ خوب لکھتے ہیں۔ 'ایک تصوراتی سفر' مدیر محترم آپ نے جس طرح ایک تصوراتی سفر کی روداد لکھی، ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے واقعی آپ یہ سفر کر رہے ہیں۔

(عنبر کائنات۔ ویسہ، تحصیل حضرو ضلع اٹک)

ج: ہمیں اسفار کا بہت شوق ہے۔ دعا کریں کہ کبھی قارئین کے ساتھ واقعتاً ایسا سفر نصیب ہو جائے۔

☆ شمارہ ۱۱۰۱ کا سرورق اتنا پیارا ہے کہ جی کرتا ہے کہ دیکھتے رہیں۔ ام ساریہ کی تحریر 'تین سو ساٹھ بچیاں' آنکھیں نم ہو گئیں۔ ماہ نور الیاس کی روشن مختصر پر اثر تحریر تھی۔ ام مریم کی سفر مواج اور حضرت ابوبکر صدیق کی آواز اور کاوش صدیقی کی وہ تو پیار کرتے ہیں شمارے کی جان تھی۔ ڈاکٹر سارہ الیاس کی 'پہلی روٹی' بہت اچھی کہانی تھی۔ آمنے سامنے میں خوب محفل لگی ہوئی تھی۔ دل چاہتا ہے ہر شمارہ پڑھ کر تبصرہ لکھوں، لیکن ڈاک بھی بہت مہنگی ہو گئی ہے۔ کیا میں ایک لفافے میں تین شماروں پر تبصرہ ارسال کر سکتی ہوں؟ (ام محمد حنظلہ۔ بھکر)

ج: ''جی کرتا ہے'' کی بجائے اردو میں ''جی چاہتا ہے'' یا ''دل چاہتا ہے'' لکھنا چاہیے۔ آپ ایک لفافے میں تین تو کیا تیس تحریریں بھی بھیج سکتی ہیں، بس ڈاک خانے والے لفافہ لے لیں۔

☆ کل یعنی ۳ ستمبر اتوار کو عصر کے بعد گھر میں داخل ہی ہوا تھا کہ فون بجنے لگا۔ دیکھا تو استاد محترم مولانا جمیل الرحمن عباسی صاحب کی کال تھی۔ سلام کے بعد پوچھنے لگے کہ آپ کی شادی ہو گئی ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہو گئی ہے۔ فرمایا: آج بچوں کا اسلام میں آپ کا خط دیکھ کر پتا لگا۔ یہ سن کر اچانک خوشی کا جھٹکا لگا کہ آج کئی سال بعد کوئی تحریر شائع ہوئی تھی۔ یقین مانیں اس سے کافی حوصلہ ملا۔ چنانچہ اب عزم کر لیا ہے کہ ان شاء اللہ اب کاغذ قلم سے رشتہ نہیں توڑیں گے اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ چند دنوں سے 'بہاول پور' پر مضمون لکھ رہا تھا وہ بھی اب مکمل ہو چکا ہے بلکہ آپ کی طرف عازم سفر ہے۔ امید ہے مسافر کی اچھی خاطر داری کریں گے۔ (محمد طلحہ صادق۔ بہاول پور)

ج: ہم نے آپ کے 'بہاولپور' کی کیسی خاطر داری کی، وہ تو آپ نے شمارہ ۱۱۱۵ میں دیکھ ہی لی ہو گی۔ بچوں کا اسلام میں شاید ہی کوئی تحریر ہو جس نے ٹائٹل اور بیک ٹائٹل دونوں جگہ گھیری ہو۔

☆ شمارہ ۱۰۹۴ تا ۱۰۹۹ تک کے چھ شمارے اپنے دیدہ زیب سرورق کے ساتھ ہمارے سامنے جلوہ افروز ہیں۔ تمام دستکوں میں آغاز کی تین 'ایک تصوراتی سفر کی اختتامی روداد' سنا رہی تھیں جبکہ بقیہ تین میں سے ایک نے خیر خواہی کا درس دیا، دوسری اشتیاق احمد رحمۃ اللہ علیہ کا نیا ناول قسط وار لگنے کی خوش خبری سنا رہی تھی اور تیسری نے دین اور رسم کی بابت بتلایا۔ 'گردیپ سنگھ' پڑھ کر تو قہقہوں کی قطاریں لگ گئیں۔ 'وقت لگتا ہے' وقت، محنت کی عظمت اور اس کے روشن نتیجے کو اجاگر کر رہی تھی۔ موت و حیات کو سائنس کی نظر سے سمجھاتی ڈاکٹر اسامہ زاہد صاحب کی 'زندہ پہیلی' بھی دلچسپ رہی۔ 'تمھیں اب وقت ہی سکھائے گا' علم کے ناقدروں، والدین اور اساتذہ سے بدتمیزی کرنے والوں کے تاریک مستقبل سے آگاہ کر رہی تھی۔ 'بوسہ جدائی' کا اختتامی شعر تو رلا گیا:

شیخ رخصت ہوا گلے مل کے
شامیانے اجڑ گئے دل کے

قدیر قریشی صاحب کا مضمون 'عجیب و دلچسپ پوزیشن' پڑھ کر حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو گئے، جس کے باعث یہ شمارہ شاہکار ٹھہرا۔ شازیہ نور صاحبہ 'خزانے کی چابی' تھماتی نظر آئیں۔ ورق الٹا تو 'اعتراف' والدین اور اپنے چاہنے والوں سے اعتراف محبت کا درس دے رہی تھی۔ اسی شمارے میں 'موتی چور کے لڈو' اپنے منفرد سبق سے زبان کا ذائقہ تبدیل کر گئے۔ اس کے علاوہ ان چھ شماروں میں 'میر حجاز' کی چھ اقساط میں نجاشی کے دربار کا احوال، حضرت حمزہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دائرہ اسلام میں دخول کا مشک بار تذکرہ بھی شامل تھا۔ رب ذوالجلال ڈاکٹر صاحب کے قلم کو سلامت رکھے۔ اسی طرح 'ان کے کوچے میں' ہم محمد فضیل فاروق قارئین کی انگلی پکڑے آثارِ نبوی کے تعاقب میں چلے گئے۔ ان کا نہایت کمال سے تمام واقعات کو الفاظ کے سانچے میں ڈھال کر قارئین کے سامنے پیش کرنے کا انداز قابل تحسین ہے۔ تمام آمنے سامنوں میں محمد اقراش عاصم، مولانا محمد اشرف، ع۔ز۔ام رمیصاء کے تبصرے بہت بھائے اور عز صدیقی کے گیارہ شماروں پر یک مشت تبصرے کی تو کیا ہی بات ہے۔ ہمارے دو خطوط بھی شامل اشاعت تھے۔ تمام شماروں میں کوئی نیوز چینل نظر نہ آیا نہ ہی آئی جی صاحب کی کوئی جاسوسی کہانی۔ بلال پاشا صاحب بھی مدت ہوئی غائب ہیں۔ (حافظ محمد عمر صدیقی۔ کراچی)

ج: بلال تو اِن دنوں ہمیں بس خلال کرتے نظر آتے ہیں۔ یعنی ان کی پانچوں (انگلیاں) گھی میں سر کڑاہی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ خوش رکھے، آباد رکھے، آمین!

☆ میرا نام ایمن زہرہ ہے۔ مجھے مما اور خالہ 'بچوں کا اسلام' سے کہانیاں پڑھ کر سناتی ہیں۔ 'اللہ میاں کتنے اچھے ہیں' یہ کہانی مجھے بہت اچھی لگی تھی۔ سب کہانیاں سن کے مزہ آتا ہے۔ مجھے 'چڑیا' کی کہانیاں اچھی لگتی ہیں۔ میں کہانیاں سن کے پاپا، مما، آپی، خالہ کو سناتی ہوں۔ وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ مجھے اللہ نے چھوٹی بہنا بھی دے دی ہے۔ (ایمن زہرہ۔ ٹیکسلا)

ج: اللہ تعالیٰ آنے والی چھوٹی بہنا کو اس کی آپی کے ساتھ ہمیشہ شیر و شکر رکھے، آمین!

☆ قرآن و حدیث کے بعد دستک میں غریب طلبہ سے سامان خریدنے کے حوالے سے کیا خوب رہنمائی کی گئی ہے۔ مختصر پر اثر، واقعی پر اثر تھے۔ اپنی تحریر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور اس شمارے میں میری خواہش بھی پوری ہو گئی۔ میں چاہتا تھا کہ میرا خط یا تحریر میرے استاد محترم کے ساتھ شائع ہوا۔ ہمیں تو خط لکھنا ہی ہمارے استاد حضرت مولانا محمد اشرف صاحب نے سکھایا تھا۔ میرے بڑے بھائی حافظ سفیان ریاض ۱۵ جولائی کو رضائے الٰہی سے انتقال کر گئے ہیں۔ دعا کی درخواست ہے۔

(حافظ حسان ریاض۔ اڈا پل مراد چشتیاں)

ج: اللہ تعالیٰ حافظ سفیان ریاض کو اپنا خاص قرب عطا فرمائیں، نور اللہ مرقدہٗ، آمین!

☆ شمارہ ۱۱۰۷ کا سرورق کہانی 'روشنی بکھرنے لگی' کی طرح روشن، چمک دار تھا۔ باقی مدیر چاچو کی دستک تو دل کے دروازے کھولنے پر مجبور کر گئی۔ مسکراہٹ کے پھول اور سبقت لسانی دونوں ہنسا گئے۔ ناہید جعفر باجی نے بھی اچھا سبق دیا۔ میر حجاز کے بغیر تو رسالے کا تصور ہی نہیں ہوتا۔ آمنے سامنے میں خود کو اپنے سامنے نہ پا کر بہت افسردہ ہوئی۔
(خدیجۃ الکبریٰ بنت مولانا محمد امتیاز فاروقی۔ رسول پور)

ج: اب خوش ہو جایئے۔

☆ سب سے پہلے تو ہمارے پیارے رسالے کے ۱۱۰۰ شمارے پورے ہونے پر مدیر مسئول اور ان کے کل عملے سمیت تمام لکھاریوں اور قارئین کو بہت بہت مبارک باد۔ ہم نے اس رسالے کی تزئین و آرائش بہت خوبی سے رفتہ رفتہ ترقی کی منزلیں طے کرتے دیکھا ہے۔ واقعی ہر کہانی، خط اور مضامین کو پڑھنا اور ان میں سے قابلِ اشاعت مال کو علیحدہ کرنا بہت محنت طلب کام ہے۔ اللہ ہی اس سے منسلک ہر شخص کی مدد کرنے والا ہے۔ اس شمارے کی سب سے بہترین کہانیاں سعید لخت کی انتقام اور ابوالحسن حمزہ کی 'تم وہ نہیں ہو' تھیں۔ عنایت الرحمن کی 'چیلوں کی اڑان' معلوماتی مضمون تھا اور ہمیں ایسے مضامین بہت پسند ہیں۔ 'بچوں کا اسلام' کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے محدود صفحات میں حتی الامکان مختلف موضوعات پر تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ ڈھیروں دعائیں۔
(بنتِ ذوالفقار۔ رحیم یار خان)

ج: ڈھیروں شکریہ!

☆ مدیر چاچو! میرا نام حبیبہ ہے، میری عمر ۱۴ سال ہے، میں تقریباً ۴ سال سے بچوں کا اسلام پڑھ رہی ہوں، مجھے 'بچوں کا اسلام' بہت پسند ہے۔ خاص طور پر 'میر حجاز' مدیر چاچو، یہ میرا کسی بھی رسالے میں پہلا خط ہے۔ اسے شائع کر کے میری حوصلہ افزائی کریں، مدیر چاچو خط کا جواب ضرور دیں۔
(حبیبہ افضل خان۔ کراچی)

ج: حوصلہ افزائی بھی کر دی اور دیکھیے جواب بھی دے دیا۔ جیتی رہو۔

☆ مدیر چاچو! پچھلے سال 'بچوں کا اسلام' کے ہزارویں شمارے 'الف نمبر' پڑھنے کا موقع ملا۔ الف نمبر کی ہر کہانی ہی شاندار تھی۔ آخر میں 'گوشہ نونہال' کا بھی اپنا ہی مزہ تھا۔ مدیر چاچو! میری عمر نو سال ہے۔ پچھلے تین سال سے آپ کا رسالہ پڑھ رہی ہوں۔ خط لکھنے کا پہلا موقع ہے۔ اسے شائع کیجیے اور ردی کی ٹوکری سے دور رکھیے۔ (ایمن افضل خان۔ کراچی)

ج: دور رکھا۔ دعا ہے اگلے تیس سال تک رسالہ پڑھیے۔

☆ میرا نام محمد حسان کریم ہے۔ تعلق ملتان سے ہے اور جماعت دہم کا طالب علم ہوں۔ دس سال کی عمر سے 'بچوں کا اسلام' اور 'خواتین کا اسلام' کا قاری ہے۔ پانچ سال سے رسالہ پڑھتے ہوئے شوق ہوا کہ کچھ لکھنا چاہیے۔ شوق ہوا کیوں نہ اپنے لکھنے کا آغاز خط سے کیا جائے۔ شمارہ ۱۱۰۳ روف پاریکھ صاحب نے اپنی کہانی 'میں بڑا ہو کر کیا بنوں گا' بنیادی تعلیم کے دوران بچوں کے ذہن میں بننے والے خیالات و جذبات کا ذکر کیا ہے۔ یہ کہانی مجھے بہت اچھی لگی۔ کہانی 'سکہ رائج الوقت' میں سکہ کی قدر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ میں مدیر صاحب اور ان تمام مصنفین کا شکر گزار ہوں جو معاشرے کے مختلف پہلوؤں پر سبق آموز کہانیاں لکھتے ہیں۔ امید ہے آپ میرے خط کو شائع فرما کر حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔ (محمد حسان عنایت الکریم۔ ملتان)

ج: آپ نے پورے خط میں اپنے لیے لفظ 'بندے' لکھا ہے، ہم نے سب جگہ 'مجھے' کر دیا۔ یہ انتہائی بندگی والا عجز و انکسار کا انداز اگرچہ جائز ہے مگر ہمیں اچھا نہیں لگتا۔ جیتے رہیں، خوش رہیں۔

b 'ایک کہانی بڑی نرالی' اور 'زندہ پہیلی' (سائنسی کہانی) اور چچا مائل خیر آبادی کی 'ایک کہانی بڑی نرالی' بہت اچھی رہیں۔ القرآن میں تکبر کی مذمت، اعتدال کا درس ہے۔ الحدیث میں تواضع، عاجزی اور انفاق فی سبیل اللہ کا درس ہے۔ 'ایک تصوراتی سفر کی روداد' کی آخری قسط (دستک) مدیر مکرم کی محفل میں ہمارا بھی تذکرہ ہے۔ بہت شکریہ۔ 'میر حجاز' میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مبارک تذکرے، مشک بار قسط۔ 'ان کے کوچے میں' فضیل فاروق صاحب کے ہمراہ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر، ایمان افروز قسط۔ آمنے سامنے میں محمد شعیب کہروڑ پکا سے، محمد احمد اسامہ کراچی سے، محمد وقاص جھنگ سے، حور عینا ظل نجیب سے۔ طیبہ راؤ مظفر گڑھ سے۔ مولانا اشرف حاصل پور سے، بشریٰ ماہم اٹھارہ ہزاری سے نظر آ رہے ہیں۔ یہ سبھی مستقل لکھتے ہیں ماشاء اللہ۔ بنت عمر فیصل آباد سے ایک ہی شمارے میں دو خطوط کے ساتھ براجمان ہیں۔ کل ۱۹ خطوط ہیں۔ واہ! کیا بات ہے۔
(محمد اقراش عاصم۔ میلی پیر بخش، خوشاب)

ج: اور پہلی ہی ملاقات میں آپ کے شادابی چہرے اور تحفہ دیے گئے خوشابی میٹھے 'ڈھوڈے' کی بھی کیا ہی بات ہے۔ پورے سفر کو اس میٹھی سوغات نے میٹھا کیے رکھا۔ بہت شکریہ، جزاک اللہ خیراً۔

☆☆☆

کیا آپ جانتے ہیں؟

دُنیا کا پہلا ڈاک ٹکٹ کب جاری ہوا؟

چھ مئی ۱۸۴۰ء کو برطانیہ میں دُنیا کا پہلا ڈاک ٹکٹ جاری ہوا جس کا نام ''پینی بلیک'' تھا، جبکہ پہلا باتصویر ڈاک ٹکٹ یکم جنوری ۱۸۵۰ء کو آسٹریلیا میں جاری ہوا تھا۔

ہندوستان میں پہلی بار ریل گاڑی کب چلی؟

۱۶-اپریل ۱۸۵۳ء وہ تاریخی دِن ہے جب ہندوستان میں پہلی ریل گاڑی چلی۔ یہ ریل گاڑی ۴۰۰ مسافروں کو لے کر بمبئی کے بوری بندر اسٹیشن سے ۲۱ میل دُور تھانہ اسٹیشن کے لیے روانہ ہوئی۔ ہندوستان کی اِس پہلی ریل گاڑی نے یہ سفر ۵۷ منٹ میں طے کیا تھا۔

چیونگم کس نے بنائی تھی؟

ہزاروں سال پہلے یونان کے لوگ ایک درخت سے نکلنے والی گوند کو غذا کے طور پر چبایا کرتے تھے۔ آج جو چیونگم ہم چباتے ہیں، یہ سب سے پہلے امریکہ ۱۸۴۸ء میں تیار کی گئی تھی اور اسے تیار کیا تھا ''جون کرٹس'' نامی امریکی باشندے نے، اور یہ ۱۸۵۰ء میں امریکہ میں فروخت کے لیے پیش کی گئی تھی۔

پودا جو بارش کی خبر دیتا ہے!

برما میں ایک ایسا پودا پایا جاتا ہے جسے وہاں کی مقامی زبان میں ''پیڈ انگ'' کہا جاتا ہے۔ یہ پودا ایک طرح کا بیرومیٹر کا کام دیتا ہے کیوں کہ اس کی کلیوں کا کھلنا اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر بارش ہونے والی ہے۔

انتخاب: عروہ زبیر۔ کراچی

☆☆☆

برائے غزہ

رمضان راشن پیکج

رمضان پیکجز کے لیے
ٹرسٹ کو عطیات دیجئے

ماہ مبارک میں اپنے لیے ثواب اور اپنے پیارے
مرحومین کے لیے ایصال ثواب کا سامان کیجیے

ٹرسٹ کو دیے جانے والے تمام عطیات انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں

ایک راشن پیکج
35$ یو ایس ڈالر

PAK AID WELFARE TRUST
TOGETHER WE CAN MAKE A DIFFERENCE
پاک ایڈ ویلفیئر ٹرسٹ

A/C Title: **Pak Aid Welfare Trust** A/C No.: **3048301900220720**
Bank: **FAYSAL BANK** Swift code.: **FAYSPKKA** IBAN: **PK28FAYS3048301900220720**
+92300-050 9840 | +92300-050 9833 | www.pakaid.org.pk